تذکرہ

ساداتِ عشری

(موضع عشری خرد، ضلع سیوان، بہار)

ڈاکٹر سید معصوم رضا

تذکرہ
ساداتِ عشری

(موضع عشری خرد، ضلع سیوان، بہار)

ڈاکٹر سید معصوم رضا

شیعہ سماج

عباس منزل، عشری خرد، حسن پورہ، سیوان (بہار)
E-mail: shiasamaj@yahoo.com

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب : تذکرہ ساداتِ عشری
مصنف : ڈاکٹر سید معصوم رضا
پتہ : ایم-۴۴۲ اے، سیکٹر ۲۳، راج نگر، غازی آباد-۲۰۱۰۰۲ (یوپی)
ضخامت : ۱۴۴ صفحات
قیمت : ۲۰۰ روپے
اشاعت : ۲۰۰۸ء
ملنے کا پتہ :
- سید معصوم رضا سی۔ ۱۲۳، تیسری منزل، گلی نمبر ۹، ویسٹ ونود نگر، دہلی۔ ۱۱۰۰۹۲ موبائل: ۹۸۱۱۹۱۴۱۳۰
- شیعہ سماج، عباس منزل، عشری خرد، حسن پورہ، سیوان (بہار)
- ایلیا بک ڈپو، پکّی سرائے چوک، چندوارہ، مظفر پور۔
- اردو بک ریویو، 1739/3، کوہ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-2
- E-mail: razakidak@yahoo.com
- E-mail: razakidak@gmail.com

TAZKERA SADAT-E-USHRI
By
SYED MASOOM RAZA
M-442 A, Sector 23, Raj Nagar, Ghaziabad-201002 (U.P.)
Mobile No. 9811914130 Phone No. 0120-2787558
1st Edition: 2008 - Pages: 144 - Price: Rs. 200/-

Composed at: Urdu Book Review, New Delhi-2 Ph:-011-23266347

Printed at: Classic Art Printers, New Delhi-2

انتساب

میں اپنی اس گراں قدر تحقیقی تصنیف کو اپنے (مرحوم) والد محترم سید صفدر رضا (عرف بینگو) کے اس عظیم جذبے کے نام انتساب کر رہا ہوں جس نے مجھے خاکِ وطن (عشری) کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور وطن عزیز (عشری) سے محبت کا سبق پڑھایا۔ انہیں اپنے اجداد کی اقدار اور وراثت پر فخر تھا۔ وہ تاحیات اپنی وراثت کو سینے سے لگائے رہے۔ ان کی زندگی کا بہترین شیوہ وطن (عشری) میں سکونت پذیری تھی۔ آخر دم تک وہ اس پر قائم رہے۔ جب بارگاہ رب العزت سے بلاوا آیا تو انھوں نے خوشی خوشی لبیک کہا اور پیوند خاک ہو کر اپنے والدین کے قدموں تلے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سو گئے۔ میں اپنی اس وراثت کے توسط سے والد کے سچے اور حقیقی جذبوں کی قدر کرتا ہوں اور مالک حقیقی سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ میری اولادوں کو اور اہل بستی کے ہر فرد کے دلوں میں وطن عزیز کی محبت اور قربانی کا جذبہ عطا کرے۔ (آمین)

سید معصوم رضا

اللہ

اللہ رب العالمین کا سب سے خاص الخاص اور اہم ترین اسم گرامی ہے۔ یہ اسم گرامی کسی دوسرے کے لئے نہیں پکارا جا سکتا۔ اللہ کے چار حروف "ا ل ل ہ" نورانی ہیں۔ انہیں حروف کے اخراج سے کلمہ لا الہ الا اللہ بنا ہے۔ لفظ اللہ سے الف ہٹا دیا جائے تو للہ رہ جاتا ہے۔ للہ یعنی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ للہ میں سے ایک ل ہٹا لیا جائے تو لَہٗ رہ جاتا ہے لَہٗ کے معنی ہیں اس کے لئے۔ لَہٗ سے ل کم کر لیا جائے تو ہ رہ جاتا ہے جس کو تلفظ کرنے سے ھو بنتا ہے۔ اللہ خدا کا صفاتی اسم ہے یعنی وہ ذات جو تمام صفات کمال کی جامع ہے۔ لفظ اللہ قرآن مجید میں ۲۷۰۲ مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ تمام ناموں میں لفظ اللہ یقیناً اسم اعظم ہے۔ ماہرین علم جفر اس پر متفق ہیں کہ حقیقی اسم اعظم میں دو خصوصیات کا ہونا لازمی ہے۔ اول یہ کہ حرف اول الف سے شروع ہو دوم اس کے تمام حروف بے نقطہ ہوں اللہ میں یہ دونوں خصوصیات موجود ہیں۔

بسم اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی فضیلت میں جو کچھ بھی بیان کیا جائے وہ کم ہے۔ بسم اللہ قرآن پاک کی ابتداء ہے یعنی بسم اللہ شروع کلام اللہ کا ہے ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے کی جائے تو بہت بہتر ہوتی ہے کیونکہ اس نیک کام میں خالق دو عالم کی مرضی شامل ہو جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کریم کی ایک مکمل آیت ہے جو اپنے اندر بے پناہ اعجاز و کرامت رکھتی ہے اس بابرکت آیت میں خداوند کریم کی جملہ خصوصیات شامل ہیں جو باعث خیر و برکت ہے۔ بسم اللہ کے بارے میں رسول اکرم محمد مصطفیٰ صلعم کا ارشاد گرامی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اسم اعظم سے قریب تر ہے جس کے متعلق یہ کہنا کہ قدرت نے دنیا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ یہ بالکل حقیقت ہے اس آیت کے دامن میں جو علوم و معانی اور اسرار و رموز پنہاں ہیں اس کی وسعت پر تبصرہ کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ بسم اللہ سورۂ برأت کو چھوڑ کر قرآن کے تمام سوروں کا جزو ہے۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی نیا کام شروع کریں خواہ کام چھوٹا ہو یا بڑا ہمیں اس کی شروعات بسم اللہ سے کرنی چاہئے۔

ترتیب

☆☆☆

اظہار تشکر

عالی جناب مولانا سید تکمیذ الحسنین رضوی صاحب قبلہ کی شخصیت بطور عالم دین عالمگیر حیثیت کی حامل ہے۔ مولانا نے اپنی خاندانی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے نہ صرف مذہبی اور دینی شعبے سے وابستگی اختیار کی بلکہ عملی طور پر بھی سرگرم عمل رہے۔ تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر و تصنیف اور مطالعہ کتب ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اردو زبان و ادب کے کئی تحقیقی مدارج مولانا نے سر کئے ہیں۔ درس و تدریس سے وابستگی کا یہ عالم ہے کہ نیوجرسی میں بچوں اور نوجوانوں کو ذہن میں رکھ کر خصوصی دینی نصاب مرتب کئے اور آسان اردو کے مواد فراہم کئے۔ ان کی کئی کتابیں رائج ہیں جس سے نئی نسل مستفیض ہو رہی ہے۔ وطن سے دور رہ کر بھی خدمت خلق کا جو جذبہ ان کے دل میں پنہاں ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ عشری سے متعلق معلومات حاصل کر کے وہ بے حد خوش ہوتے اور وہ وطن سے متعلق تمام باتوں کو ماضی کے دریچے سے نکال کر حال اور مستقبل کے شانہ بہ شانہ پیش کرنا چاہتے تھے۔ میں نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور حتی الامکان یہ کوشش کی کہ مولانا کی دلی خواہش کتابی شکل میں منظر عام پر آجائے۔ میں مولانا موصوف کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری تحقیق کو جلاء بخشی اور اکیسویں صدی میں عشری کو عوام الناس سے روشناس کرانے کے اسباب مہیا کرائے۔

سید معصوم رضا

اعتراف

ڈاکٹر سید معصوم رضا

کتابیں انسانی خیالات، تجربات اور مشاہدات کو محفوظ کرنے کا بہترین وسیلہ ہوتی ہیں۔ کتابوں کے ذریعہ کسی شخص، سماج، معاشرہ، گاؤں، خاندان اور خانوادے کی تاریخ، طرز حیات، رسم و رواج اور خاندانی سلسلے نہ صرف ہمعصر نسل کے ہزاروں افراد کے لئے بلکہ آنے والی نسلوں کے افراد کے لئے استفادہ، تحقیق اور رہنمائی کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتی ہیں۔ جس کے نہاں خانوں میں جھانک کر کوئی بھی شخص ماضی کی سیر بہ آسانی کر سکتا ہے۔ ''تذکرہ سادات عشری'' بھی اسی مقصد کی تکمیل کا نام ہے۔ جس کے لئے میں نے ذاتی طور پر تلاش جاری رکھی لیکن میری اس تحقیقی کوشش کی حوصلہ افزائی مولانا سید تمکید الحسنین صاحب نے نہ صرف زبانی کی بلکہ مجھے دامے، درمے اور سخنے جو تعاون کیا وہ بلاشبہ قابل تعریف اور لائق ستائش ہے۔ مولانا کا اپنے آبائی وطن عشری سے جنون کی حد تک والہانہ عشق اس کا اعلیٰ وارفع ثبوت ہے جس کا اعتراف میرا اخلاقی فریضہ ہے۔ موصوف کا تعاون شامل حال نہ ہوتا تو میری یہ تحقیقی کوشش زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر شاید نہ آتی۔ مولانا نے اس کتاب کی اشاعت کی جو تحریک چلائی اس میں میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا اندازہ قارئین کو کتاب کے مطالعے کے دوران ضرور ہوگا۔ مولانا علم دوستی کے دلدادہ ہیں۔ انھیں کتابوں سے بے پناہ محبت ہے۔ ان کے ہر سفر میں کتابوں کی خریداری بھی شامل ہوتی ہے۔ مولانا کی تحریر و تصنیف بھی اہل علم کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعہ تمکید ڈاٹ کام پر قارئین بہ آسانی ان کے مقالات سے رو برو ہو سکتے ہیں۔ مولانا نے ''تذکرہ سادات عشری'' کے عنوان کی تجویز پیش کی جس کو میں نے بلا تامل قبول کر لیا جبکہ میں نے اس کتاب کا نام وراثت تجویز کیا تھا لیکن مولانا نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے تبدیلی عنوان کا مشورہ دیا۔ مولانا نے جس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اسی جوش و خروش نے مجھے کتاب لکھنے پر مجبور کیا۔

میں نے نہ صرف خود اس میں پیش رفت کی بلکہ دیگر حلقۂ احباب ذوق سے بھی مضامین لکھنے کی گزارش کی۔ ان میں کچھ لوگوں نے سعی کی۔ جن حضرات نے مضمون لکھ دیا ان کا میں شکر گزار ہوں کیونکہ یہ بھی میرے مقصد کی تکمیل میں برابر کے شریک ہیں۔ میری تحقیق میں کلیدی حیثیت بھاگل پور سے شائع ہونے والی کتاب فقیر الی اللہ کی ہے جس کی فراہمی کے لئے میں پروفیسر سید احمد صاحب (حسن پورہ) کا شکر گزار ہوں جنھوں نے میری تحقیق کو جامع اور معتبر بنانے میں تاریخی شواہد کے طور پر یہ کتاب مجھے دے کر میری مشکل آسان کر دی۔ دبئی میں قیام کے دوران محترم سید آل ابراہیم صاحب سے بھی تبادلۂ خیال کا موقع ملا وہ میری اس تحقیق سے مطمئن نہیں ہوئے بلکہ وہ رضوی سادات کی حمایت کرتے ہیں لیکن میرے پاس رضوی سادات کے نہ تاریخی شواہد ہیں نہ کوئی معتبر سلسلہ جس کی بنا پر میں اپنی تحقیق کی تردید کر سکوں۔ اس لئے میں نے ان کی ایماء پر سوال نہیں اٹھایا بلکہ اپنی تحقیق کے جواز پیش کرنے میں سرگرم عمل رہا۔ میں نے اس کتاب کی ابتدائی تجویز انجمن عباسیہ کی میٹنگ میں پیش کی تھی اور ایک کتابچہ کی اشاعت پر زور دیا تھا اس کے لئے رقم بھی بجٹ میں رکھی گئی تھی لیکن بعد میں کچھ لوگوں نے اس تجویز کو رد کر کے رقم واپس کرالی جس سے کتابچہ کی اشاعت کا خواب تشنۂ تعبیر رہا۔ یوں تو میں نے ذاتی طور پر زیادہ تر لوگوں سے کتاب کے متعلق رجوع کیا، شجرہ تیار کیا لیکن اہل بستی کی طرف سے اکثر و بیشتر حضرات نے سرد مہری اختیار کر لی جبکہ مجھے یقین کامل ہے کہ کچھ لوگ اگر کوشش کرتے تو شاید کچھ اور گوشے منور ہو جاتے لیکن ان کی شکایت برطرف کرتے ہوئے میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ کچھ تو مجبوریاں رہی ہوں گی۔

بہر حال میری یہ مختصری کتاب جو میرے زور قلم اور تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہے بلاشبہ یہ میری ادبی وراثت ہے جس میں میرے مورث اعلیٰ اور آباء و اجداد کی روداد ہے۔ آپ اس کتاب کی ورق گردانی کریں گے تو میری ادبی دلچسپی اور لگن کا احساس آپ کو ضرور ہوگا۔ اس کتاب میں عوام سے لے کر خواص تک مبتدی سے لے کر منتہی تک سب کا ذکر موجود ہے۔ اس کتاب میں بخارا، کرمان، دہلی، میرٹھ، جونپور اور قیام عشری سے تا حال سلسلہ وار تاریخی روایت پر مکمل معلومات فراہم کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ شجرہ سادات عشری بھی موجود ہے جس کا پہلا حصہ حضرت آدم سے امام آخر الزماں علیہ السلام تک ہے اور دوسرا سلسلہ چوتھے امام اور سید حسن دانشمند سے راقم الحروف کی بیٹیوں تک کی تفصیل پر محیط ہے۔ یعنی ابتداء سے موجودہ نسل تک کے تمام تذکرے سے مزین ہے تذکرہ سادات عشری۔ اس کتاب کی غرض

اشاعت نہ صرف عشری والوں کو دیگر احباب سے بخوبی متعارف کراتا ہے بلکہ عشری کے ماضی کو اجاگر کرکے مستقبل کو ماضی سے ہم رشتہ کرنے کی جستجو بھی ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میرے مورث اعلیٰ اور آباء واجداد کا روشن ماضی ہمارے سامنے ہے ورنہ آج کے اس سائنسی دور میں ماضی کی جلوہ گاہ کو مستقبل کی امید گاہ بنانے کی کوشش کہاں کوئی کرنے کو آمادہ ہے۔ مادیت پرستی کا دور ہے پورا معاشرہ مفاد پرستی کی گرفت میں آچکا ہے۔ عام زندگی کے سرچشموں میں نفرت کا زہر گھلتا جارہا ہے۔ فرد اور فرد کے مابین فطری رشتے ٹوٹ کر تار تار ہوتے جارہے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ کتاب ہمیں اپنے اسلاف کی قربت سے روشناس کرانے میں بہر حال معاون ثابت ہوگی۔ وقت کے ناسازگار حالات سے ہم بھی آگاہ و آشنا ہے لیکن مجھے اپنے مقصد کی تکمیل اور منزل کی جستجو میں کبھی راستے کی تھکن یا شکست خوردگی کا احساس نہیں ہوا بلکہ یہ ایک جنون تھا جو اعتماد اور یقین کے درمیان غبار آلود خوابوں کو روشن کرتا چلا گیا۔ تب کہیں جاکے "تذکرہ سادات عشری" منظر عام پر آسکی۔

میری ذاتی مصروفیات کا اندازہ ان لوگوں کو بخوبی ہے جو میری ذات، شخصیت اور سرگرمیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ تمام مصروفیات کے باوجود تحقیق کے اضافی کام میں تذکرہ سادات عشری کی تخلیقیت کے گل بوٹے کھلانے کے لئے وقت نکال پانا ایک مشکل کام تھا لیکن میں نے تاریخی حقائق اور مواد کو یکجا کرنے میں مشکل مراحل بھی سر کئے ہیں۔

بہر حال قارئین کرام سے گزارش ہے کہ باوجود تمام کوششوں کے ممکن ہے کہ اس کتاب میں کچھ خامی رہ گئی ہو۔ آپ اسے انسانی غلطی سمجھ کر میری رہنمائی کریں۔ میں اپنی غلطی کو بصد شوق قبول کرنے کا منتظر رہوں گا۔ اس کتاب کی تیاری میں نہ جانبداری کا شائبہ ہے نہ کسی کو کمتر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی جملہ یا مضمون گراں گزرتا ہے تو وہ پہلے اسے اپنے دل کے میزان پر پرکھ کر حقیقت کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کرے۔ اس کے بعد بھی اگر اس کو ذرہ برابر بھی شک ہو تو وہ اس میں غیر جانبدارانہ ترمیم واضافہ کرکے مجھے گوش گزار کرادے تاکہ اس کی اصلاح کردی جائے۔

ہر سکے کے دو پہلو ہوتے ہیں، ہر اجالے کے بعد تاریکی کا گمان ہوتا ہے اس لئے اگر کسی شخص یا خانوادے کو میری یہ کوشش پسند نہ آئے تو اس کا احسن طریقہ یہ ہے کہ وہ اس سے بہتر کوئی تصنیف عوام کی خدمت میں پیش کرکے اس کی ادبی تردید پیش کردے، میں اسے خوشی خوشی تسلیم کرلوں گا۔ کسی بھی گاؤں کی تاریخ اور روایت میں بزرگوں کی تعلیمات کو بطور ثبوت پیش کرنے میں کوئی ہچک نہیں ہونی چاہئے۔

عشری کے حوالے سے جن لوگوں کا ذکر اس کتاب میں ہے وہ ہمارے لئے باعث احترام تھے۔ میرے کسی جملے یا مضمون سے کسی فرد، خاندان اور بستی کی دل آزاری ہوئی ہو تو اس کے لئے میں پھر سے معافی کا خواستگار ہوں۔ آخر میں اس شعر پر اکتفا کرتا ہوں:

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

ڈاکٹر سید معصوم رضا "اچھے"
عباس منزل، عشری خرد
سیوان

□□□

اس کتاب کی اشاعت کے آخری مرحلے تک میں نے بذریعہ فون ان لوگوں سے رابطہ کیا جن سے کچھ معلومات حاصل کرنی ضروری تھیں، جواب میں کچھ لوگوں کا رویہ اطمینان بخش رہا تو کچھ لوگوں کا ردعمل طنزیہ اور تضحیکانہ تھا لیکن میں نے اس معاشرتی کام کو بصد شوق شروع کیا تھا اس لئے مجھے انجام کی فکر نہیں ہے مجھے ابتداء میں ہی چند اہل قلم حضرات نے گوش گزار کرادیا تھا کہ یہ کتاب دوسروں کے لئے باعث صد افتخار ہوگی لیکن مصنف کو مختلف طرح کی مشکلات اور بدکلامی سے دوچار ہونا پڑسکتا ہے۔ بہر حال مجھے یہ قوی امید ہے کہ میری یہ کوشش ان تمام لوگوں کے ذوق کی تسکین کا باعث بنے گی جنہیں مجھ سے شکایت ہے۔ (س م ر)

تذکرہ عشری از آدم تا ایں دم

ڈاکٹر سید معصوم رضا

جب سے دنیا وجود میں آئی ہے انسانوں کی جستجو جاری و ساری ہے۔ تحقیق و تنقید نے دنیا کو حضرت آدم سے عصر حاضر تک کے تمام نشیب و فراز سے روشناس کرایا ہے۔ مختلف ادباء و محقق نے حضرت آدم کا شجرہ تیار کیا ہے اگر اس پر ایک نظر ڈالی جائے تو وہ اس طرح ہے۔ اس سرزمین پر آنے والے پہلے خاکی حضرت آدم علیہ السلام ہیں پھر ان کے بطن سے حضرت حوا کا وجود سامنے آیا۔ ان سے ہابیل، قابیل اور حضرت شیث پیدا ہوئے۔ ہابیل اور قابیل نے ایک دوسرے کو قتل کر دیا۔ پہلی ہی پشت میں دنیا کی دو تہائی آبادی کا خاتمہ ہو گیا۔ صرف حضرت شیث زندہ رہے نسل آدم کا سلسلہ نسب صرف حضرت شیث سے چلا۔ ان کے دو لڑکے حضرت صابی اور حضرت انوش پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب حضرت انوش سے چلا ان کے بیٹے حضرت قینان ہوئے، حضرت مہلائیل، حضرت یرد، حضرت ادریس، حضرت متوشلخ، حضرت لامخ سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ ان کے تین بیٹے حضرت حام، حضرت یافث اور حضرت سام ہوئے۔ حضرت حام لاولد رہے حضرت یافث کا سلسلہ نسب چار پشتوں تک ملتا ہے یعنی حضرت یافث ان کے بیٹے حضرت ارم حضرت عاثر، حضرت ثمود اور حضرت صالح اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ انسانی سلسلہ نسب حضرت سام سے چلا۔ حضرت سام کے بیٹے حضرت ارفخشد، حضرت قینان، حضرت شالخ حضرت ہود علیہ السلام ان کے بیٹے، حضرت فالغ ان کے بیٹے حضرت رعوان ان کے بیٹے ساروغ ان کے بیٹے ناحور ان کے بیٹے تارخ ان کے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دو بیٹے طوفان نوح کے ۱۰۸۱ سال بعد پیدا ہوئے۔

ان کے بیٹوں کے نام حضرت اسحاق اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ مسلمانوں کا سلسلہ نسب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے چلا جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام سے عیسائیوں کا سلسلہ چلا۔ حضرت اسحاق کی چھٹی پشت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ ملتا ہے جو اس طرح ہے حضرت اسحاق ان کے بیٹے حضرت یعقوب ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بھائی حضرت لاوئی ان کے بیٹے حضرت قاہات ان کے بیٹے حضرت عمران ان کے دو بیٹے حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چلا ان کے بیٹے حضرت قیدار ان کے بیٹے حضرت حمل ان کے بیٹے حضرت بنت ان کے بیٹے حضرت سلامان ان کے بیٹے حضرت ہمسیع ان کے یسع ان کے بیٹے حضرت اود ان کے بیٹے حضرت اد ان کے بیٹے حضرت عدنان ان کے بیٹے حضرت معد ان کے بیٹے حضرت نزار ان کے بیٹے حضرت مضر ان کے بیٹے حضرت الیاس ان کے بیٹے مدرکہ ان کے بیٹے خزیمہ ان کے بیٹے کنانہ ان کے بیٹے نضر ان کے بیٹے حضرت مالک ان کے بیٹے حضرت فہد ان کے بیٹے حضرت غالب ان کے بیٹے حضرت لوئی ان کے بیٹے حضرت کعب ان کے بیٹے حضرت مرہ ان کے بیٹے حضرت کلاب ان کے بیٹے حضرت قصیٰ ان کے تین بیٹے حضرت مناف، حضرت عبدالدار، حضرت عبدالعزیٰ۔ مسلمانوں کا سلسلہ نسب حضرت عبد مناف سے چلا حضرت عبد مناف کے بیٹے حضرت ہاشم ان کے دو بیٹے حضرت عبدالمطلب اور حضرت اسد، حضرت اسد کی بیٹی فاطمہ بنت اسد ہوئیں۔ حضرت عبدالمطلب کے دو بیٹے حضرت عبداللہ اور حضرت ابو طالب ہوئے۔ حضرت عبداللہ کے بیٹے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ حضرت ابو طالب کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسد جن کے بیٹوں میں سے ایک حضرت علی ابن ابو طالب علیہ السلام ہوئے۔ حضرت محمد مصطفیٰ کے دو بیٹے ہوئے لیکن باحیات نہ رہے ان کی صرف اکلوتی بیٹی جناب سیدہ فاطمہ زہرا ہوئیں جن کا عقد حضرت علی ابن ابو طالب سے ہوا جن کے بطن سے سلسلہ امامت اور سلسلہ سادات شروع ہوا۔ حضرت علی علیہ السلام اور فاطمہ سیدہ کے دو بیٹے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہ السلام ہوئے۔ سلسلہ امامت حضرت امام حسینؑ کے بیٹے حضرت زین العابدین علیہ السلام سے چلا۔ حضرت زین العابدین علیہ السلام کے بیٹوں میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت زید شہید ہوئے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نسل امامت چلی اور حضرت زید شہید سے نسل زیدی سادات چلی۔ حضرت زید شہید کے دو بیٹے جناب یحیٰی اور جناب عیسیٰ ہوئے۔ حضرت عیسیٰ

کے بیٹے سادات حسنی الحسینی ہوئے۔ نسل امامت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ان کے بیٹے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہوئے۔ ان کے بیٹوں میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور دوسرے بیٹے جناب اسماعیل ہوئے۔ ان کے بیٹے جناب خلفائے فاطمیین ہوئے جن سے خوجے و بوہرے حضرات کی نسل چلی جو آج ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی موجود ہیں۔ ساتویں امام حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بیٹے حضرت امام علی رضا علیہ السلام ان کے بیٹے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام دسویں امام حضرت علی نقی علیہ السلام ہوئے جن کے دو بیٹے گیارہویں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام اور ان کے بھائی جناب جعفر تواب ہوئے۔ جناب جعفر تواب کی نسل سے ہی نقوی سادات کا سلسلہ چلا۔ گیارہویں امام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی نسل میں صرف بارہویں امام حضرت آخر الزماں امام مہدی علیہ السلام ہیں جو پردۂ غیب میں ہیں۔ جب انہیں حکم الٰہی ہوگا تو پردۂ غیب اٹھے گا اور ان کا ظہور ہوگا۔ جس سے ایک بار پھر دنیا نورانی ہو جائے گی۔

چوتھے امام کی نسل سے جناب زید شہید کے بیٹے جناب یحییٰ اور ان کے بھائی جناب عیسیٰ ہوئے۔ حضرت عیسیٰ سے زیدی سادات کا سلسلہ چلا۔ حضرت عیسیٰ کے بیٹے سادات حسنی الحسینی ہوئے۔

دوسری تفصیل جو دستیاب ہے وہ یہ کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اولادوں میں ۱۱ لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ انہیں میں حضرت زید کی پیدائش ۸۰ھ میں عراق واسط میں ہوئی جو شہید کر دیے گئے۔ اس لئے بعد میں انہیں حضرت زید شہید کے نام سے منسوب کر دیا گیا۔ ان کے چار بیٹے سادات زیدی الواسطی ہوئے جن میں سے صرف ایک سید حسین ذوالعبرت شہر کرمان کی طرف روانہ ہوئے اور کرمان میں ہی مقیم رہے۔ ان کی نسل میں سید یحییٰ کو کرمان کے مشہور محدثین میں شمار کیا جاتا ہے۔ سید یحییٰ کے بیٹے سید عمر کرمان سے کوفہ تشریف لے گئے۔ سید عمر کے بیٹے سید احمد کوفہ کے مشہور شاعر تھے اور ان کا شمار بھی کوفہ کے مشہور محدثین میں ہوتا تھا۔ ان کی نو پشت کوفہ میں مقیم رہی پھر واپس آکر واسط عراق میں مقیم ہوئے۔ کوفہ سے واسط کا سفر سید سلطان ابوبکر واسطی نے کیا جو بخارا ملتان ہوتے ہوئے واسط عراق میں مقیم ہوئے ان کی تین پشت یہاں مقیم رہی۔ سید سلطان ابوبکر واسطی کے بیٹے سید طاہر واسطی ہوئے۔ ان کے بیٹے سید احمد ہوئے جن کے تین بیٹے سید ظہیر الدین ابو نجیب زیدی الحسینی، سید اسد الدین اور سید زین الدین ہوئے۔ انہیں تینوں بھائیوں کے ہندوستان

آنے کی تفصیل ملتی ہے۔ شہر واسط سے دہلی تشریف لائے۔ سید ظہیر الدین ابو نجیب زیدی الحسینی دہلی میں مقیم ہوئے اور دہلی میں ہی دفن ہوئے۔ ملک اعزاز شہر واسط سے بخارا و ملتان ہوتے ہوئے حضرت نظام الدین اولیاء کے عہد میں دہلی تشریف لائے۔ حضرت ذکریا ملتانی اور ان کے بیٹے صدرالدین عارف سے کسب فیض حاصل کیا۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، کسب فیض حاصل کیا۔ حلقہ ادارت میں داخل ہوئے بعد میں آپ فیروز شاہ تغلق کے اتالیق و استاد اور مربی رہے۔ عہد خلجی میں آپ شاعر سلطنت ہوئے۔ عہد تغلق میں میر منشی سلطنت مقرر ہوئے۔ آپ نے کتاب "رموز المعانی" تصنیف کی جو تصوف کے موضوع پر ہے۔ مجموعہ کلام "دیوان ظہیر" بھی شائع ہوا۔ دوسرے بھائی سید اسد الدین دہلی سے شیراز ہند جونپور (اتر پردیش) چلے آئے اور جونپور کے قریب ظفر آباد میں مقیم ہوئے اور وہیں ان کی قبر ہے۔ ظفر آباد میں آج بھی شیعوں کی کثیر تعداد موجود ہے جو خاندان آفتاب ہند ظفر آبادی سید اسد الدین صاحب کی نسل سے ہیں۔ تیسرے بھائی سید زین الدین ہیں جو دہلی سے فرخ آباد (اتر پردیش) میں مقیم ہوئے اور وہیں دفن ہیں۔ ان کی نسل کے شیعہ حضرات فرخ آباد اور اس کے قرب وجوار یا گردونواح میں موجود ہیں۔

سید ظہیر الدین ابو نجیب زیدی الحسینی کے بھی تین بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے سید عبدالمقتدر الحسینی دلوی واسطی ثم دہلوی وہیں مقیم رہے اور دہلی میں ہی دفن ہوئے۔ دوسرے بھائی سید علاء الدین خوند کچھ دن دہلی میں مقیم رہے پھر وہاں سے بادشاہ محمد شاہ تغلق کے ساتھ دکن چلے گئے اور وہیں مقیم ہوئے۔ گلبرگہ کے مغرب میں حسین آباد میں آپ کا روضہ ہے۔ تیسرے بھائی سید جعفر عطاء اللہ دہلوی بھی دہلی میں مقیم رہے اور یہیں دفن ہوئے۔ ان کی شادی سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی صاحبزادی سے ہوئی۔ سید جعفر عطاء اللہ کے ایک بیٹے سید یحییٰ ہوئے جن کا لقب کرم اللہ تھا ان کا مدفن بھی دہلی ہے۔ آپ کے صاحبزادے سید حامد شرف جہاں الحسینی بخاری عرف بیٹھے شاہ تھے، آپ دہلی سے میرٹھ کے قصبہ سردھنہ میں مقیم ہوئے وہیں دفن ہوئے۔ سردھنہ میں آپ کا مزار موجود ہے۔ آپ کے آٹھ صاحبزادے ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے: (۱) سید عبدالغفار (۲) سید محمد مجنوں (۳) سید اسماعیل (۴) سید محمود (۵) سید جلال (۶) سید طاہر ثانی (۷) حضرت قطب سید محمد افضل عرف بڈھن مسکین اور (۸) سید قاسم الحسینی۔ حضرت قطب سید محمد افضل عرف سید بڈھن مسکین سردھنہ سے میرٹھ ہوتے ہوئے بہرائچ چلے گئے وہیں مقیم رہے اور بہرائچ ریلوے اسٹیشن کے ٹھیک سامنے املی کے پیڑ

کے نیچے تالاب کے کنارے آپ کا مزار ہے۔ آپ کے بھی بھائیوں میں سے چھ بھائیوں کی کوئی مستند تفصیل موجود نہیں ہے بلکہ یہ قرب و جوار میں ہی آباد ہو گئے۔ میرٹھ اور اس کے قرب و جوار کے اضلاع میں جو شیعہ حضرات آج بھی موجود ہیں وہ انھیں کی نسل سے ہیں اور زیدی سادات ہی ہیں۔ انھیں بھائیوں میں سب سے چھوٹے بھائی سید قاسم الحسینی ولوی واسطی کا قیام شہر میرٹھ (اتر پردیش) میں رہا۔ آپ کے نام پر میرٹھ کینٹ روڈ پر محلہ قاسم پورہ آباد ہے۔ وہیں عیدگاہ کے نزدیک املی کے درخت کے قریب آپ کا مزار ہے۔ آپ کے کئی صاحبزادے تھے جو گرد و نواح کے گاؤں منصور پور، خاں جہاں پور وغیرہ میں آباد ہوئے۔ غالباً ان میں سے ایک بیٹے کا نام سید میر تھا جن کے بیٹے سید بوڑھے کا سرسری ذکر سید حسن دانشمند کی صاحبزادی کی شادی کے ذیل میں آیا ہے، جن کی کوئی تفصیل فی الحال دستیاب نہ ہو سکی۔ ان کے صرف ایک بیٹے سید حسن دانشمند جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تحصیل علم کے دلدادہ تھے تعلیم سے دلچسپی نے انھیں ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ تحصیل علم اور کسب فیض کی تلاش و جستجو نے انھیں شیراز ہند جونپور کے سفر پر آمادہ کر دیا۔ قاسم پورہ میرٹھ کینٹ سے ان کا جونپور کا سفر شروع ہوا۔ سفر کے دوران سید حسن نے اپنے حقیقی چچا سید محمد افضل عرف سید بڈھن مسکین کے یہاں بہرائچ (اتر پردیش) میں قیام کیا۔ تھوڑے دن قیام کے بعد شیراز ہند جونپور پہنچے۔

جونپور کا شہرہ ملک میں شیراز ہند کے طور پر تھا۔ شرقی حکومت کے تمام بادشاہوں اور حکمرانوں کا "شیعہ اثنا عشری" عقیدے سے تعلق تھا۔ جس کا ذکر اسی کتاب کے ایک باب ہندوستان میں شیعت کے ابتدائی نقوش میں تفصیل سے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ جونپور کے حکمرانوں میں خواجہ جہاں ملک سرور، مبارک شاہ شرقی، ابراہیم شاہ شرقی (۱۴۴۰ء تا ۱۴۵۷ء) سلطان حسین شاہ شرقی (۱۴۵۸ء تا ۱۴۸۷ء) کے دور گزرے ہیں۔ ان کے زمانے میں مدارس، خانقاہوں اور امام باڑوں کی جونپور میں بھرمار تھی۔ مدارس کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ شرقی حکومت کے زوال کے زمانے میں سید حسن دانشمند میرٹھ سے بہرائچ ہوتے ہوئے جونپور پہنچے۔ وہاں حضرت شیخ راجی حامد مانک پوری کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم اور کسب فیض حاصل کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جونپور پر کالے بادل چھا چکے تھے۔ شرقی حکومت کا ستارہ گردش میں آ چکا تھا۔ جونپور کو بری نظر لگ گئی اور شرقی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے سکندر لودھی نے حملہ کیا اور کافی نقصان پہنچایا جس سے جونپور کا شیرازہ بکھر گیا۔ جونپور کے اس پر آشوب ماحول کا اندازہ میر ملک فتح اللہ صاحب کو ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے جونپور کو خیرباد کہہ کر

شرقی حکومت کی جنوب مشرقی سرحد کے آخری حدود پر قیام کا فیصلہ کیا۔ اس جگہ کا نام عشری سے منسوب کیا اور یہاں مدرسہ کی شروعات کی۔ میر صاحب ایک صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے اور اس قدر عبادت و ریاضت میں رہے کہ بزرگ عالم مرتبت ہوئے آپ کی شہرت علم اور خوبیٔ درس کو سن سن کر لوگ دور دور سے آپ کے مدرسے میں پڑھنے آتے۔ سید حسن دانشمند بھی جونپور سے ہجرت کر کے شرقی حکومت کی آخری سرحد پر سیوان ضلع کے عشری گاؤں میں حضرت میر ملک فتح اللہ کے مدرسہ میں پہنچے جہاں انھیں ذوق علم کی تسکین ہوئی۔ حضرت میر ملک فتح اللہ مشہور زمانہ عارف بزرگ تھے۔ ان کے فیضان علم اور زہد و تقوی کا شہرہ تھا۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا کہ یہ "یک از شہزادۂ مغرب بودند" اس پر حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ اندازہ ہے کہ یہ ایران کے ہی شہزادے تھے۔ غالباً عشری کے شجرے میں مبارک علی مشہدی کا درج ہونا اسی سلسلے کی ایک اہم تاریخی دلیل ہو لیکن عشری کا سلسلہ نسب سید مبارک علی سے چلا میر ملک فتح اللہ سید مبارک علی کے نانا تھے۔ عشری میں رہنے والے لوگ ننیہال میں ہیں لیکن وراثت دادیہالی حضرت زید شہید سے ہی ملتی ہے۔ حضرت میر ملک فتح اللہ کے والد حضرت شمس الدین حقانی جو بڑے حقانی کے نام سے مشہور تھے، ان کا مدرسہ جونپور میں مشہور تھا۔ ان کی پختہ قبر پرانی بازار محلہ، جونپور میں موجود ہے۔ سکندر لودھی کی تباہی و بربادی کے آثار جب نمایاں ہوئے تو میر ملک فتح اللہ نے شرقی حکومت کی انتہائی شمالی مغربی سرحد پر داہا ندی اور دریائے گنڈک کے دوآبا کے زرخیز علاقے کو اپنا مسکن بنایا جو شاہان شرقی (جونپور) کا ہی ایک صوبہ یا حصہ تھا جو اب بہار کے ضلع سیوان کا موضع عشری ہے۔ میر ملک فتح اللہ نے جونپور سے آکر یہاں مدرسہ قائم کیا۔ مدرسہ کی ملک گیر شہرت اور میر ملک فتح اللہ کی علمی فضیلت نے صاحب علم و فن کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ سید حسن دانشمند بھی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جونپور سے عشری پہنچے۔ تحصیل علم سے فراغت اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی کی وجہ سے میر ملک فتح اللہ نے انھیں بطور داماد منتخب کر لیا۔ وہیں ان کی شادی میر ملک فتح اللہ صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی اور وہ مستقل طور پر عشری میں مقیم ہو گئے۔ بعد تکمیل علم و دین داہا ندی کے مشرق میں موضع حسن پورہ میں خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ حسن پورہ کا نام انھیں سے منسوب ہے اس کے قبل یہ علاقہ ارنڈہ کا تھا بعد میں ارنڈہ کے کچھ حصے کا نام حسن پورہ ہو گیا۔ میر ملک فتح اللہ عشری میں دفن ہوئے اور ان کے داماد سید حسن دانشمند حسن پورہ میں دفن ہوئے جنھیں اب مخدوم صاحب کے نام سے جانا جاتا ہے اور ان کا مزار بھی ہے جہاں سالانہ عرس بھی لگتا ہے اور قریہ د

جوار میں مخدوم صاحب کی بے پناہ شہرت ہے یہاں کے لوگوں کو ان سے بے انتہا عقیدت ہے۔ لوگ روزانہ ہی ان کے مزار پر منت مرادیں مانگنے آتے ہیں۔ ان کی پانچ اولادیں ہوئیں جن میں دو لڑکیاں اور تین لڑکے تھے۔ بیٹی بی بی راجی بھوری کی شادی میرٹھ کے سید بوڑھے بن سید میر بن سید قاسم میرٹھی سے ہوئی۔ دوسری لڑکی کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا۔

بیٹوں میں سید احمد کمال الدین تھے جو عشری سے منتقل ہو کر بیناپور (حاجی پور) چلے گئے۔ حاجی پور بیناپور میں ان کا مزار موجود ہے۔ حاجی پور میں نوادہ کلاں اور نوادہ خرد گاؤں کے شیعہ حضرات انہیں کی نسل سے ہیں جس کی مختصر تفصیل شبر امام صاحب نے اپنی کتاب شاخ زریں میں تحریر کی ہے لیکن یہ صرف اشارہ ہے بلکہ یہ تفصیل ادھوری ہے۔ جس میں مشہور تاریخ داں پروفیسر حسن عسکری (کھجواں) صاحب کے حوالے سے حسن دانشمند کا سرسری ذکر کیا گیا ہے جس میں چوسہ بکسر کی جنگ میں ہمایوں کی ہار اور قیام عشری کو ہی سید حسن دانشمند کے بڑے بیٹے سید احمد کمال الدین کی ہجرت کا سبب بتایا گیا ہے۔ جس کی تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں۔ سید احمد کمال الدین کی نسل سے ہی جناب سید ناصر علی انکم ٹیکس کمشنر وغیرہ کے خاندان کا سلسلہ نسب ہے۔ شجرہ وغیرہ کی دستیابی کی کوشش جاری ہے۔ دوسرے بیٹے سید مبارک علی تھے جو عشری میں رہے اور ان کی نسل اور سلسلہ نسب مع شجرہ اسی کتاب میں شامل ہے۔ یہ موجودہ عشری کے مورث اعلیٰ ہیں۔ ان کی اٹھارہویں پشت میں راقم الحروف بھی شامل ہے۔ فی الحال ان کی انیسویں پشت کا سلسلہ جاری ہے جس کا تفصیل سے تذکرہ اسی کتاب میں کیا جائے گا۔ تیسرے بیٹے سید حسین صاحب تھے یہ بھی ابتدائی عرصے ہی میں عشری سے منتقل ہو کر سلطانپور بھاگلپور چلے گئے۔ بھاگلپور خلیفہ باغ چوک میں شاہ مارکیٹ اس سے متعلق پیر دمڑیا وقف اور ان کی مزار وغیرہ سب اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ان کی مکمل تفصیل پیر دمڑیا لائبریری شاہ مارکیٹ بھاگلپور (بہار) میں موجود ہے۔

مختصراً یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ سید حسن دانشمند نے میرٹھ سے عشری تک کا سفر طے کیا لیکن ان کے تین بھائی سید جمال الدین، سید بار ہا اور میر سید سلونی کی تفصیل مکمل دستیاب نہ ہو سکی۔ سید جمال اور سید بار ہا دونوں مظفر نگر کے پاس بار ہا اور بھوارہ چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ ان کا ذکر بھی قرۃ العین حیدر نے اپنی تصنیف "کار جہاں دراز ہے" میں کیا ہے۔ مظفر نگر کے گردونواح میں آباد شیعہ حضرات بھی زیدی سادات ہیں جو غالباً انہیں کی اولادوں میں سے ہیں۔ اس کے علاوہ میر سید سلونی

نے میرٹھ سے پرتاپ گڑھ (اتر پردیش) کے قصبہ سلون شریف کا سفر طے کیا۔ یہ قصبہ پہلے کسی اور نام سے موسوم تھا۔ لیکن اب یہ سلون شریف ہے جو میر سید سلونی کے نام سے ہی منسوب ہے۔ یہاں ان کا مزار بھی ہے ان کی اولادیں یہیں آباد ہوں گی لیکن فی الحال کوئی تفصیل دستیاب نہیں ہو سکی ہے۔

عشری کے مورث اعلیٰ سید مبارک علی کے قیام عشری اور ان کے برادران سید احمد کمال و سید حسین کے ہجرت کرنے کی وجہ بھی تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کا مغل حکمراں ہمایوں جب چوسہ (بکسر) کی جنگ شیر شاہ سوری سے ہار گیا تو اپنے اہل کاروں کے ساتھ گنگا ندی پار کر کے اپنی فوج اور سپہ سالار کے ساتھ دوآبہ کے ترہت علاقے کے جنگل میں آ گیا۔ وہاں قیام کے دوران ہی اسے یہ خبر ملی کہ عشری میں ایک عظیم المرتبت شخصیت کا قیام ہے۔ وہ سید حسن دانشمند سے ملنے کی غرض سے عشری تشریف لایا۔ ایک رات قیام کیا وہاں اسے سید حسن دانشمند نے بشارت دی کہ تم بنگال کی جانب کا سفر نہ کرو بلکہ مغرب کی طرف سفر کرو کامیابی و فتح حاصل ہوگی۔ عشری کے بعد ہمایوں دہلی ہوتا ہوا ایران چلا گیا۔ دوسری بار جب ایران سے واپس آیا تو اسے فتح نصیب ہوئی اور وہ ہندوستان کا حکمراں بنا۔ عشری میں ہمایوں کے قیام کی خبر اور بشارت دینے کی بات راز نہ رہ پائی۔ اس راز کے افشاں ہونے کے اندیشے سے سید حسن دانشمند نے اپنے بیٹوں سے روپوش ہو جانے کے لئے کہا کیونکہ انہیں خطرہ لاحق تھا کہ شیر شاہ سوری حاکم وقت ہے وہ ان کے بیٹوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے اس لئے اس روپوشی نے انہیں ہجرت پر مجبور کیا جس سے سید احمد کمال بیناپور حاجی پور اور سید حسین سلطان پور بھاگلپور تشریف لے گئے۔ سید مبارک علی عشری میں ہی مقیم رہے۔ اس تفصیل کو مختصراً بیان کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ عشری میں اور نوادہ حاجی پور میں جو لوگ آج آباد ہیں وہ رضوی سادات سے منسوب ہیں لیکن تاریخی حقائق کی بنیاد پر یہ بھی لوگ زیدی سادات ہی ہیں۔ میرٹھ، جونپور، عشری پھر حاجی پور اور بھاگلپور کا جو خاندانی سلسلہ ہے وہ حضرت زید شہید ابن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے شروع ہو کر شہر واسط، بخارا اور ملتان ہوتے ہوئے دلّی پھر سردھنہ، میرٹھ، بہرائچ، جونپور ہوتے ہوئے عشری پر آ کر ختم ہوتا ہے۔ عشری میں تقریباً بارہ سال قبل ۱۹۹۶ء میں شائع کسی رسالے کے ایک مضمون کے حوالے سے لوگوں کے علم میں یہ بات آئی کہ عشری کے قبرستان میں امام حسین کے پوتے کی قبر ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ عشری قبرستان کی قدیم قبروں کے نشانات کی ازسرنو حد بندی کی گئی لیکن اس بیداری کے بعد پھر نہ کوئی تحقیق ہوئی اور نہ تصدیق کی آخر بات کیا تھی۔ نہ اس رسالے کا کوئی

پتہ چل سکا۔ میں نے اس کے بعد یہ کام ذاتی طور پر شروع کیا اور میری جستجو اور تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ بلاشبہ عشری نسل زید شہید کی قیام گاہ ہے اور ایک عظیم شخصیت میر ملک فتح اللہ کا مدفن ہے لیکن قبر کی تصدیق ممکن نہ ہو سکی۔

ابتداً سید مبارک علی کی نہ کوئی تفصیل موجود تھی اور نہ مبارک علی سے قبل ان کے آباء و اجداد کی کہ وہ لوگ کون تھے کہاں سے آئے تھے۔ ایک قدیم شجرۂ نسب موجود تھا جس میں مورثِ اعلیٰ سید مبارک علی مشہدی لکھا ہوا تھا اس لئے انہیں سید مبارک علی مشہدی سے ہی منسوب کر دیا گیا۔ اب یہ بات اس قدر زبان زد ہے کہ عشری یا دیگر بستیوں کے ان تمام حضرات (جن کا اس تفصیل میں ذکر ہے) کے نام سے نہ رضوی ہٹا کر زیدی لگایا جا سکتا ہے اور نہ ہی مبارک علی کے نام سے مشہدی اس لئے ہمیں اسی تناظر میں کوئی بھی تفصیل قبول کرنی ہوگی۔ سید مبارک علی ابن سید حسن دانشمند ہیں۔ میر ملک فتح اللہ جو مبارک علی کے نانا ہیں، عشری میں دفن ہیں جبکہ سید حسن دانشمند کا مزار حسن پورہ میں مخدوم صاحب کے مزار کے نام سے مشہور ہے اور سید مبارک علی مشہدی کے بارے میں کوئی تفصیل تو موجود نہیں۔ ایک غور طلب امر یہ بھی ہے کہ اگر آپ حسن پورہ کے مخدوم صاحب کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے جائیں تو وہاں کے مجاور یا دوسرے جانکار حضرات یہ بھی بتائیں گے کہ ایک سورہ فاتحہ اس قبر پر بھی پڑھیں۔ یہ قبر سید حسن دانشمند صاحب یعنی مخدوم صاحب کے بیٹے کی ہے۔ مخدوم صاحب کے تین بیٹے تھے۔ ایک کی قبر بھاگلپور، دوسرے کی قبر بینا پور حاجی پور میں تیسرے بیٹے جو عشری میں مقیم تھے لیکن قبر کا پتہ معلوم نہیں ہے۔ لیکن ایک روایت کے مطابق جو سینہ در سینہ مقبول خاص و عام ہے کہ سید مبارک علی کی جنگ بھگوان پور کے کسی راجپوت راجہ سے ہوئی۔ اس جنگ میں وہ شہید ہوئے۔ ان کا سر شیخ پورہ عشری کے پاس دفن ہے جبکہ ان کا جسم (دھڑ) مع گھوڑا کے بھیک پور بھٹن پور میں دفن ہے۔ جہاں ان کی قبر ہے جو ایک خوبصورت پختہ مزار کی شکل میں لب دریا بنا ہوا ہے۔ اسی روایت کو مزید وسعت دے کر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ گھر یا قلعہ میں انہیں کی لڑکی یا غالباً ان کے خاندان کی دو بہنیں جو اس راجپوت راجہ کے غیض و غضب کا شکار ہو جاتی اس لئے ان دونوں بہنوں بی بی قیصر، بی بی زہرا نے پروردگار سے اپنی سلامتی کی دعا کی اسی اثناء میں وہاں کی زمین شق ہوئی اور وہ دونوں بہنیں اس میں داخل ہو کر روپوش ہو گئیں۔ خواجہ پور کے موجودہ میدانی علاقے میں جو پہلے جنگل کی مانند تھا وہاں دونوں بہنوں کی قبریں موجود ہیں یہاں سالانہ میلہ لگتا ہے اور آج بھی میلے کی روایت قائم ہے۔ اسی ضمن میں چند اور قبروں کا

ذکر بھی ملتا ہے جن میں ایک بڑی عشری چندہ ٹولی میں برگد کے قدیم پیڑ کے پاس ہے۔ دوسری قبروں کے نشانات پر بھوتی اور کرتاجی کے مکان کے متصل میں موجود ہیں جہاں عموماً رات میں وہی لوگ چراغ جلاتے ہیں یا موم بتی بطور شمع روشن کرتے ہیں۔ سید مبارک علی مشہدی کا مزار بھٹن پور میں لب دریا بنا ہوا ہے وہاں کے معتبر حضرات اور بھیکپور کے اہل تشیع حضرات بھی انہیں عشری سے ہی منسوب کرتے ہیں۔ بات واضح نہ ہو سکی لیکن یہ بات تو طے ہے کہ عشری کی زمینداری کا علاقہ وہاں تک تھا یہ حد تھی پھر وہاں سے بھٹن پور کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ عشری میں شجرہ نسب میں مورث اعلیٰ کے علاوہ بھی سید سعید صاحب کے والد کا نام بھی سید مبارک علی ہی ہے جو سید مبارک علی مشہدی کے بعد چھٹی پشت میں ہیں۔ اس لئے یہ بھی قیاس لگایا جا سکتا ہے کہ جو قبر بھٹن پور میں سید مبارک علی کی ہے وہ ان کی بھی ہو سکتی ہے اور بی بی قیصر اور بی بی زہرا ان کی بیٹیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اس لئے قرب و جوار کی مشہور روایت اور تحقیقی اسناد کی بنیاد پر ان تمام باتوں کو تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ ہماری وراثت ہے ہمیں اس کا احترام کرنا چاہئے اور اس پر مزید تحقیق کرنی چاہئے تا کہ مخفی راز نمایاں ہو سکیں۔

سید مبارک علی مشہدی عشری کے مورثِ اعلیٰ ہیں جن کے دو لڑکے ہوئے سید ابراہیم علی اور سید لطف اللہ لیکن سید لطف اللہ کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے وہ لاپتہ ہو گئے۔ سلسلہ نسب سید ابراہیم علی سے چلا ان کے دو بیٹے سید جلال الدین اور سید ظہیر الدین ہوئے جن میں سید ظہیر الدین لاولد رہے۔ سلسلہ نسب سید جلال الدین سے چلا ان کے تین بیٹے ہوئے جن میں دو بیٹے لاپتہ ہو گئے اور ان کے اسماء گرامی بھی معلوم نہ ہو سکے۔ صرف ایک بیٹے سید کبیر الدین سے ہی سلسلہ نسب چلا۔ ان کے بھی دو بیٹے ہوئے سید جمن اور سید میرن لیکن سید میرن کا بھی کوئی پتہ نہ چلا وہ بھی لاپتہ ہو گئے۔ سلسلہ نسب صرف سید جمن صاحب سے چلا۔ ان کے لڑکے سید پیرن ہوئے پھر سید پیرن کے لڑکے سید مبارک علی ہوئے۔ سید مبارک علی کے تین بیٹے سید سعید، سید جمال اور سید سالم ہوئے۔ جن میں عشری کے موجودہ بھی خاندانوں کا سلسلہ نسب سید سعید صاحب کی نسل سے ہی چلا۔ سید جمال کے بیٹے سید بازید ہوئے۔ سید بازید کے تین بیٹے سید محمود، سید طاہر اور سید شریف ہوئے جن میں سید محمود اور سید شریف کا سلسلہ نسب منقطع ہو گیا جو غالباً لاپتہ ہی ہو گئے لیکن اس نسل میں سید طاہر کی تین اولادیں ہوئیں۔ دو بیٹے سید دھڑی اور سید قطب ایک بیٹی بی بی جھلن۔ سید دھڑی اور بی بی جھلن کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

صرف سید قطب کے ایک بیٹے سید بھاری ہوئے جن کی اولادوں کا کوئی تذکرہ کہیں نہیں ملتا ہے۔ سید جمال کا خاندانی سلسلہ یہاں منقطع ہو جاتا ہے۔ سید جمال کے دوسرے بھائی سید سالم کی نسل بھی دو پشت کے بعد ختم ہوگئی جس کی تفصیل یہ ہے۔ سید سالم ابن سید مبارک علی کے دو بیٹے ہوئے سید غلام مصطفیٰ اور سید جلال الدین لیکن سید جلال الدین لاولد رہے۔ سلسلۂ نسب صرف سید غلام مصطفیٰ سے ہی چلا جن کی دو بیٹیاں ہوئیں۔ بی بی ربیعہ اور بی بی ایدال دونوں کی تفصیل ضمنی طور پر موصول ہے یعنی بی بی ربیعہ کی شادی موضع گوپال پور کے تاج محمود صاحب سے ہوئی تھی۔ بی بی ایدال کی کوئی تفصیل موصول نہیں ہوئی۔ اس طرح یہ سلسلہ بھی یہیں ختم ہوگیا جس کا عشری سے اب کوئی تعلق باقی نہیں ہے۔ یعنی سید مبارک علی ابن سید پیرن صاحب کی تین اولادوں میں سید جمال اور سید سالم کا سلسلہ چند پشتوں کے بعد منقطع ہوگیا اور اب صرف ان کے ایک بیٹے سید سعید ابن سید مبارک علی سے ہی عشری کا وجود باقی ہے اور انہیں کی نسل یہاں پھل پھول رہی ہے جس کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

سید سعید کی چھ اولادوں کا ذکر موجود ہے۔ جن میں چار بیٹے سید صاحب، سید ولی، سید خضر اور سید عبدالرسول ہیں۔ دو بیٹیاں بی بی بھوچا اور بی بی مہرو تھیں۔ سید صاحب لاپتہ ہو گئے۔ اس لئے ان کا سلسلۂ نسب منقطع ہوگیا۔ سید ولی کے تین بیٹے ہوئے۔ سید حسین علی، سید جعفر اور سید مکارم۔ اس میں سید حسین علی کا سلسلہ صرف لڑکیوں تک محدود رہا۔ سید مکارم لاولد تھے۔ صرف سید جعفر سے سلسلہ نسب چلا۔ سید جعفر کے تین بیٹے سید امیر، سید غیاث الدین اور سید عارف تھے۔ سید امیر اور سید عارف لاولد تھے صرف سید غیاث الدین سے سلسلۂ نسب چلا جس کا تفصیل سے ذکر آگے کیا جائے گا (ص: ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں)۔ اس سے قبل سید سعید کے دوسرے بیٹوں کا ذکر بھی کر دیا جائے تاکہ سلسلے میں توازن برقرار رہے۔ سید سعید کے تیسرے بیٹے سید خضر کے دو بیٹے تھے سید نور محمد اور سید خلیل۔ ان دونوں کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے۔ سید سعید کے چوتھے بیٹے سید عبدالرسول سے عشری کے زیادہ تر خاندان کا تعلق ہے۔ سید عبدالرسول کے تین بیٹے تھے سید سکندر، سید پیر محمد اور سید پہاڑ۔ سید سکندر کے دو لڑکے سید زین الدین اور سید اشرف تھے۔ سید زین الدین لاولد تھے۔ سید اشرف سے خاندانی سلسلہ موجود ہے (ص: ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں)۔ سید پیر محمد کو چار لڑکے ہوئے اور ایک لڑکی بھی۔ بی بی لال زوجہ سید ضیاء جن کا سلسلہ غالباً منقطع ہوگیا۔ سید پیر محمد کے چھوٹے لڑکے سید لال لاولد رہے۔ صرف سید خیرالدین (ص: ۳۱)، سید نورالدین (ص: ۳۳) اور سید عبداللطیف

(ص: ۴۷) کی اولادیں موجود ہیں جس کا تفصیل سے ذکر آگے کیا جائے گا۔ سید عبدالرسول کے تیسرے بیٹے سید پہاڑ کا سلسلۂ نسب بھی تین پشتوں کے بعد ختم ہوگیا۔ سید پہاڑ کے لڑکے سید فتح اللہ ہوئے۔ سید فتح اللہ کے بیٹے سید ازرابخ بخش ان کی صرف ایک بیٹی بی بی حسینہ تھی جن کی شادی سید زین بھیکپوری سے ہوئی یہاں سے ان کا سلسلہ عشری سے منقطع ہوگیا۔

آخر میں گزشتہ صفحات کی تفصیل کے بارے میں مختصر طور پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ مورث اعلیٰ سید مبارک علی کے شجرۂ نسب میں ساتویں پشت میں سید سعید کی شخصیت کافی اہم ہے انہیں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ سید مبارک علی کے بعد سارا سلسلۂ نسب سید سعید سے ہی شروع ہوتا ہے۔ سید سعید کے بعد تیسری پشت میں سید غیاث الدین، سید اشرف، سید خیرالدین، سید نورالدین اور سید عبداللطیف یعنی انہیں پانچ شخصیات کی اولادوں سے آج عشری کا وجود باقی ہے۔ جو لوگ عشری میں آج موجود ہیں یا پھر پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک میں عشری کی نمائندگی کر رہے ہیں وہ تمام لوگ جو براہ راست عشری کے خانوادے میں شامل ہیں وہ کہیں نہ کہیں انہیں پانچ شخصیات کی اولادوں میں سے ہیں جس کا تفصیلی تذکرہ ملاحظہ فرمائیں۔

متذکرہ بالا پانچ شخصیات میں سے ایک شخصیت سید غیاث الدین کی ہے۔ سید غیاث الدین سید مبارک علی کی دسویں پشت میں ہیں۔ سید غیاث الدین، سید محمد علی، سید قدرت علی، سید جمال علی ان کے دو بیٹے سید ضامن علی اور سید علی۔ سید ضامن علی سے سید دادا مرحوم کا خاندان، سید علی پیش نماز کربلائے معلی کے لڑکے سید آغا محمد کی لڑکی حمیدہ خاتون زوجہ سید ظفریاب حسین عشروی مرحوم کا خاندان اسی خانوادے میں سید دادا مرحوم کا خاندان ہے جو پاکستان چلے گئے۔ ان کی بہن کلثوم النساء زوجہ سید ناظر حسن (عشری) کا خاندانی سلسلہ موجود ہے ان کی دو لڑکیاں بی بی مہرون بی بی امرن ہیں۔ بی بی مہرون عشری میں ہی رہتی ہیں لاولد ہیں لیکن بی بی امرن کی شادی کٹوکھر کے پھیکو صاحب سے ہوئی ہے جو صاحب اولاد ہیں۔ ان کے ایک لڑکی کی شادی عشری میں ہی سید نثار حسین عرف بدلو صاحب سے ہوئی ہیں جن کی تفصیل شجرہ میں موجود ہے۔ دوسرا اہم خاندان سید دادا کی لڑکی جمیلہ خاتون کا ہے جن کی شادی بھکن پور (مظفرپور) کے سید اسد رضا صاحب مرحوم (راقم الحروف کے والد سید صفدر رضا عرف ہینگو اور سید اسد رضا صاحب حقیقی خالہ زاد بھائی ہوتے تھے) سے ہوئی تھی ان کے ایک بیٹا سید فرخ رضا (عرف سونی) مظفرپور کورٹ میں وکالت کرتے ہیں۔ انہیں پانچ شخصیات

میں دوسرا اہم نام سید اشرف کا ہے۔ سید اشرف بھی سید مبارک علی کی دسویں پشت میں ہیں۔ سید اشرف، سید تقی، سید کھیدو، سید طاہر، سید مصاحب علی، سید امجد علی، سید غلام حسین ان سے حکیم بشیر صاحب، مولانا سید حامد حسین عشروی اور مولانا سید اظہار الحسنین صاحب کا خاندان ہے۔ سید اشرف کی نسل سے عشری میں کئی خاندانوں کا تعلق ہے اور غالباً یہ سلسلہ ہی عشری کے موجودہ خاندانوں میں سب سے کثیر تعداد میں موجود ہے۔ دوسرا خاندان سید اشرف، سید لال محمد، سید غلام علی، سید فیض علی، سید تصدق حسین، سید بخشش حسین، سید غلام مرتضٰی، سید صاحب حسین اور سید صاحب رضا صاحب یعنی سید معصوم رضا عرف بخو مرحوم، سید قیصر رضا اور سید سرور رضا صاحب کا خاندانی سلسلہ ہے۔ تیسرا خاندانی سلسلہ سید اشرف، سید غلام نجف، سید محمد عوض، سید تاج محمود، سید مظہر علی کا ہے۔ جس میں موجودہ خاندانوں میں سید غدیر حیدر صاحب، سید مظہر حسین صاحب، سید افسر حسین شوکت صاحب، سید افتخار احمد حسینی صاحب اور سید عون محمد نجم صاحب کا خاندانی سلسلہ ہے اس کے علاوہ پاکستان میں رہنے والوں میں سید ہاشم رضا صاحب، سید صابر حسین صاحب اور سید طالب حسین صاحب وغیرہ کا خاندانی سلسلہ ہے۔ اس خاندان کے بھی چشم و چراغ ہندوپاک کے علاوہ بالخصوص امریکہ اور دیگر ممالک میں بھی مقیم ہیں اور اپنی کارکردگی سے اپنے خانوادے کا نام روشن کئے ہوئے ہیں۔

پانچ شخصیات میں تیسری اہم شخصیت کا نام سید خیرالدین ہے جن کا سلسلہ سید مبارک علی صاحب کی دسویں پشت میں ہے۔ جن کا سلسلہ نسب سید سعید سے ہوتا ہوا سید عبدالرسول اور سید پیر محمد کے توسط سے سید خیرالدین تک پہنچتا ہے۔ یعنی سید خیرالدین ابن سید پیر محمد ابن عبدالرسول ابن سید سعید ہے۔ اسی سلسلے میں سید قیام الدین، سید تقی، سید نذر اور سید امام الدین تھے۔ دوسری پشت میں سید خدا بخش، سید حسین علی، سید نعمت اللہ، سید روشن علی، سید حبیب اللہ، تیسری پشت میں سید الٰہی بخش، سید یوسف علی، سید مصاحب علی وغیرہ اس کے بعد پشت در پشت یہ سلسلہ چلتا رہا جن میں مخصوص نام سید حسین احمد، امام بخش مالک، سید غلام ضیاء، سید غلام مصطفٰی، لیاقت اور سید غلام محمد وغیرہ کے نام اہم ہیں لیکن فی الحال ان لوگوں کے خاندان کے افراد کی تفصیل موجود نہیں ہے۔ صرف سید نذر صاحب کی نسل سے سید ظفریاب حسین، سید اختر عباس، رضیہ خاتون، صفیہ خاتون، بی بی عمران بی بی امرن اور سید اختر امام سید احسن امام، محمد حسن بکاؤ اور محمد عباس صاحبان کے خاندان والے یعنی صرف تین چار خاندان عشری میں موجود ہے ان میں سے سید اختر عباس صاحب مع اہل و عیال اور سید ظفریاب

صاحب کے دولڑکے پاکستان میں مقیم ہیں یعنی سید فیض یاب حسین اور ان کے بھائی۔ لیکن ابھی ان لوگوں کا رابطہ عشری سے برقرار ہے۔ بکاؤ اور عباس صاحب بھی کانپور میں آباد ہیں جن کا عشری سے رابطہ نہیں کے برابر ہے۔ صرف عباس صاحب محرم میں دو تین دنوں کے لئے اکیلے عشری آجاتے ہیں لیکن دیگر تمام حضرات جن کا ذکر اس میں کیا گیا ہے وہ لوگ کہاں گئے؟ کون لوگ ہیں؟ اس کے بارے میں کوئی تفصیل دستیاب بھی نہیں ہے اور نہ کوئی اب ان کے بارے میں بتانے والا ہی عشری میں موجود ہے۔

پانچ اہم شخصیات میں ایک نام سید نورالدین کا بھی ہے جن کے شجرہ نسب کا سلسلہ سید مبارک علی کی دسویں پشت سے ہے جن میں اہم شخصیات ہیں سید نورالدین ابن سید پیر محمد ابن عبدالرسول ابن سید سعید۔ ان کا خاندانی سلسلہ سید ہدایت اللہ، سید نادر بخش، سید فتح علی سے ہوتا ہوا سید مہدی حسن تک جاتا ہے جس سے عصر حاضر میں مہدی فیملی کے پانچ خانوادے ہیں جس میں راقم الحروف کا بھی خاندان ہے۔ یہ خاندان سید حسن امام وکیل، سید علی عباس صاحب رجسٹرار، ڈاکٹر سید نذر امام صاحب، ڈپٹی کلکٹر سید نادر حسن اور سید قادر حسن یعنی سید امیر حسن اور نصیر حسن صاحب کا خاندان ہے۔ مہدی فیملی کے افراد عشری کے ساتھ ساتھ ملک کے دیگر حصوں میں بھی بسلسلہ ملازمت قیام پذیر ہیں۔ بیرون ملک میں بھی اس خانوادے کے افراد بسلسلۂ ملازمت قیام پذیر ہیں۔ سید نورالدین صاحب کی نسل میں ہی سید نورالدین، سید ہدایت اللہ، سید قادر بخش، سید خواہش علی، سید حمایت علی، سید احمد حسین سے حکیم زین العابدین اور سید بندہ حسن صاحب کا خاندانی سلسلہ چلا جس میں سید سبط حسن صاحب مرحوم یعنی سید غلام محمد صاحب کا خاندان ہے۔ دوسری طرف سید بندہ حسن صاحب کے سلسلہ نسب میں ان کی دولڑکیاں یعنی بی بی عزیزہ زوجہ سید ناصر حسن صاحب بھیکھپورا اور بی بی زجس بانو تھو زوجہ سید حمید اصغر صاحب گوپالپور کے خانوادے کا سلسلہ ہے۔

اس سلسلے کی آخری یعنی پانچویں شخصیت سید عبداللطیف صاحب کی ہے جو سید مبارک علی کے شجرۂ نسب میں ہیں۔ سید مبارک علی کی دسویں پشت میں سید عبداللطیف ابن سید پیر محمد ابن سید عبدالرسول ابن سید سعید تک یہ سلسلہ پہنچتا ہے۔ سید عبداللطیف سے جو سلسلہ چلا اس میں سید کریم اللہ، سید علی بخش، سید ولی محمد، سید محمد، سید وزیر سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ سید مختار احمد اور سید محمد مظفر صاحب تک جاتا ہے جس سے فی الحال صرف سید ظفر حسنین عرف لڈن صاحب کا خاندانی سلسلہ جاری ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ گزشتہ صفحات میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا اسے بہتر طریقے سے سمجھنے کے لئے شجرہ ضرور ملاحظہ فرمائیں تاکہ بات واضح ہو جائے۔ عشری حوالے میں میں نے پوری کوشش کی ہے کہ تمام لوگوں کے خاندانوں کا سلسلہ عشری کے حوالے سے تحریر کردوں لیکن اس کے علاوہ صرف تین گھر ایسے ہیں جن کا اضافہ ہے جو اس شجرہ یا تفصیل سے براہ راست تو نہیں بلکہ یہ عشری کے شجرہ سے بالواسطہ طور پر ضرور وابستہ ہیں۔ اب یہ لوگ عشری والے ہیں اور عشری میں مستقل طور پر مقیم ہیں۔ ان کے مکانات بھی ہیں اور محرم و عزاداری میں ان کی شمولیت بھی۔ اب یہ لوگ بھی عشری والے ہی ہیں۔ ان میں مختار احمد اور نثار احمد کا خاندانی سلسلہ شاہد حسین ابن سید غلام حسین بیگو ابن سید فتح علی اور عبدالرسول ابن سید سعید سے ملتا ہے۔ ان دونوں بھائیوں کے علاوہ ایک گھر سید محمد علی کا بھی ہے جن کا تعلق سید اختر امام ابن سید امداد امام صاحب کے خانوادے سے ہے جن کا خاندانی سلسلہ سید محمد حسین، سید مراد علی، سید خیرالدین، سید سعید سے ملتا ہے۔ فی الحال جو بھی خاندان عشری میں موجود ہیں یا پھر عشری کے جو لوگ بیرون ممالک اور خصوصاً پاکستان میں رہتے ہیں ان تمام لوگوں کا سلسلہ سید سعید کے بعد تیسری پشت سے شروع ہو کر پانچوں شخصیات کے خاندانی سلسلے پر ہی محیط ہے۔ اس میں اگر کوئی نام چھوٹ گیا ہو تو اسے انسانی غلطی سمجھ کر اس کا اضافہ کرلیا جائے یا راقم الحروف کو مطلع کردیں تاکہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

□□□

تاریخی حقیقت

دسویں صدی ہجری میں بہ عہد سلاطین صفویہ مملکت ایران کا رسمی و سرکاری مذہب شیعہ ہو گیا اس زمانے میں عزاداری امام حسین کو خاطر خواہ فروغ ملا۔ مشہور عالم اہل سنت کمال الدین ملا حسین واعظ کاشفی نقشبندی سبزواری (متوفی ۹۱۰ھ) صاحب جواہر التفسیر و تفسیر حسینی کی کتاب روضۃ الشہداء ہے جس کو ۹۰۸ھ میں واعظ کاشفی نے فارسی زبان میں مجالس عزا میں پڑھنے کے لئے تالیف کیا۔

ہندوستان کے عزاداروں نے روضۃ الشہداء کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں نظم و نثر دونوں میں کیا اور اس کتاب کے اسلوب و انداز پر "دہ مجلس" لکھیں۔ جس سے شہدائے کربلا کے تذکرہ کا رواج عام ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام
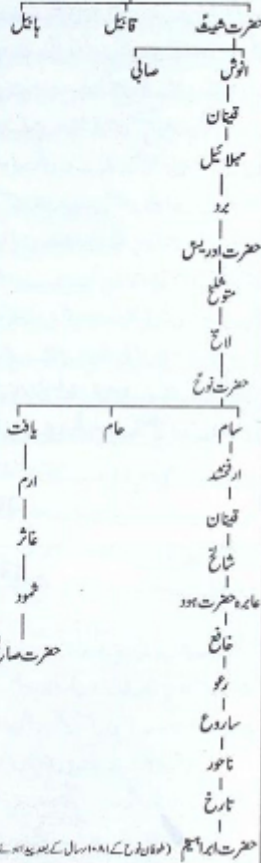
- حضرت شیث
  - انوش
    - قینان
    - مہلائیل
    - برد
    - حضرت ادریس
    - متوشلخ
    - لامخ
    - حضرت نوح
      - سام
        - ارفخشد
        - قینان
        - شالخ
        - عابر؍ حضرت ہود
        - فالغ
        - رعو
        - ساروغ
        - ناحور
        - تارخ
        - حضرت ابراہیم (طوفان نوح کے ۱۰۸۱ سال کے بعد پیدا ہوئے)
      - حام
      - یافث
        - ارم
        - عاثر
        - ثمود
        - حضرت صالح
  - صابی
- قابیل
- ہابیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام

- حضرت اسحاق
  - حضرت یعقوب
    - لاوئی
      - قاہاث
      - عمران
        - حضرت ہارون
        - حضرت موسیٰ
    - حضرت یوسف
- حضرت اسماعیل
  - قیدار
  - حمل
  - نبت
  - سلامان
  - ہمیسع
  - یسع
  - اود
  - اد
  - عدنان
  - معد
  - نزار
  - مضر
  - الیاس
  - مدرکہ
  - خزیمہ
  - کنانہ
  - نضر
  - مالک
  - فہر
  - غالب

نوٹ

جناب یوسف علیہ السلام کا ذکر اس شجرہ میں نہیں تھا میں نے اپنی ذاتی سمجھ کے اعتبار سے حضرت یوسف کا ذکر حضرت یعقوب کے بیٹے کی فہرست میں کردیا ہے۔

غالب
لوئی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبد مناف
عبدالدار
عبدالعزیٰ
حضرت ہاشم
عبدالمطلب
اسد
عبداللہ
ابوطالب
فاطمہ
حضرت محمدؐ
حضرت علیؑ
فاطمہ سیدہ
☆☆☆☆☆
حضرت علی + فاطمہ سیدہ
امام حسن
امام حسین
امام زین العابدین
حضرت زید (شہید)
حضرت امام باقر
جناب یحییٰ
جناب عیسیٰ
سادات حسنی الحسینی
حضرت امام جعفر صادقؑ
جناب اسماعیل
حضرت امام موسیٰ کاظم
خلفائے فاطمین
و
خوجے و بوہرے حضرات
حضرت امام علی رضاؑ
حضرت امام محمد تقی
حضرت امام علی نقی
جناب جعفر تواب
حضرت امام حسن عسکری
سادات نقوی
حضرت امام مہدیؑ (حجت اللہ)
تذکرہ سادات عشری ۲۸ سید معصوم رضا
عبداللہ
ابوطالب
حضرت محمد مصطفیٰؐ
حضرت علی
جناب سیدہ + حضرت علی
حضرت امام حسینؑ = حضرت امام حسنؑ
حضرت امام زین العابدینؑ ——— (ان کی اولادوں میں ۱۱ لڑکے ۴ لڑکیاں تھیں)
حضرت زید شہید ——— [پیدائش ۸۰ھ عراق (واسط)] ان کے چار لڑکے سادات زیدی الواسطی ہوئے جن میں سے صرف ایک کرمان کی طرف روانہ ہوئے سید حسین ذوالعبرت
سید حسین ذوالعبرت ——— (کرمان کی طرف روانہ ہوئے یعنی کرمان میں مقیم ہو گئے)
سید یحییٰ ——— (مشہور محدثین کرمان)
سید عمر ——— (کوفہ تشریف لے گئے)
سید احمد (۹ پشت کے بعد) ——— (کوفہ کے مشہور شاعر اور محدث) ان کی ۹ ر پشت کوفہ میں مقیم رہی وہاں سے پھر واپس
سید سلطان ابوبکر واسطی (ملتان) - [کوفہ سے واپس آکر واسط (عراق) میں مقیم ہو گئے اور ان کی تین پشتیں یہاں رہیں۔
سید طاہر واسطی
سید احمد
سید ظہیر الدین ابو نجیب زید الحسینی
(دہلی میں مقیم ہوئے اور فن ہوئے)
سید اسد الدین
(ظفرآباد، جونپور، یو۔پی)
سید زین الدین
(فرخ آباد، یو۔پی)

سید ظہیر الدین ابو نجیب زید الحسینی — سید اسد الدین — سید زین الدین

سید عبد المقتدر الحسینی دہلوی واسطی
ثم دہلوی۔ مدفن دہلی

سید علاء الدین خوند
محمد شاہ تغلق کے ساتھ دکن گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ گلبرگہ کے مغرب میں حسین آباد میں آپ کا روضہ ہے۔

سید جعفر عطاء اللہ دہلوی
مدفن دہلی۔ آپ کی شادی مخدوم سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی صاحبزادی سے ہوئی۔

سید یحییٰ
ملقب بہ کرم اللہ مدفن دہلی۔

حضرت مخدوم سید حامد شرف جہاں الحسینی بخاری
عرف شیخے شاہ
آپ دہلی سے میرٹھ کے قصبہ سرد ھنہ میں مقیم ہوئے وہیں مدفن ہے۔ آپ کے آٹھ لڑکے ہوئے۔

سید قاسم الحسینی دہلوی واسطی | سید عبد الغفار | سید محمد مجنوں | سید اسماعیل | سید محمود | سید جلال | سید طاہر ثانی | حضرت قطب سید محمد افضل عرف سید بڈھن مسکین

سید قاسم الحسینی دہلوی واسطی: شہر میرٹھ میں کینٹ روڈ کے پاس محلہ قاسم پورہ میں عید گاہ کے پاس مزار ہے یہ محلہ ان کے نام سے موسوم ہے۔

حضرت قطب سید محمد افضل عرف سید بڈھن مسکین: بہرائچ اسٹیشن کے سامنے ٹیلے پر اہلی کے پیڑ کے نیچے مزار ہے۔

سید حسن دانشمند میرٹھی — سید جمال الدین — سید بارہا — میر سید سلونی

سید حسن دانشمند میرٹھی
میرٹھ سے بچپنے کے بعد بہرائچ وہاں سے تحصیل علم کے لئے جونپور اور پھر تھوڑے دنوں کے بعد میر ملک فتح اللہ ابن حضرت شمس الدین (بڑے حقانی) کے مدرسے میں عشری سیوان بہار چلے گئے۔ بعد میں ان کی شادی بھی میر ملک فتح اللہ کی صاحبزادی سے ہوگی۔

سید جمال الدین / سید بارہا
دونوں مظفر نگر بارہا اور بہوارہ چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ ان کا ذکر ہی قرۃ العین حیدر نے اپنی تصنیف "کار جہاں دراز ہے" میں تفصیل سے کیا ہے۔

میر سید سلونی
میر سلونی اتر پردیش کے پرتاپ گڑھ ضلع کے قصبہ سلون شریف میں آباد ہوئے۔ یہ قصبہ انہیں کے نام سے موسوم ہے جہاں ان کا مزار بھی یہیں ہے۔

خصوصی نوٹ

عشری کے شجرہ میں کہیں کہیں کمپوزیٹنگ کی وجہ سے بھائی بہن یا بڑے چھوٹے کی ترتیب بدل گئی ہے اور سید ہٹا دیے گئے ہیں اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

مخدوم سید حسن دانشمند (دو بیٹی اور تین بیٹے تھے)

بیٹی۔ بی بی راجی بھوری | بیٹی | سید احمد کمال الدین | سید مبارک علی | حضرت سید حسین

بیٹی۔ بی بی راجی بھوری: ان کی شادی میرٹھ میں سید قاسم الحسینی واسطی کے ہی دوسرے بیٹوں کے خاندان میں ہوئی سید بڈھے سے۔

بیٹی: بچپن میں انتقال ہو گیا

سید احمد کمال الدین: بنا پور حاجی پور چلے گئے۔ وہیں ان کا مزار بھی ہے۔

سید مبارک علی: عشری سیوان میں ہی مقیم رہے۔ ان سے ہی عشری والوں کی نسل چلی مورث اعلیٰ عشری

حضرت سید حسین: سلطانپور بھاگلپور میں مقیم ہوئے۔ شاہ مارکیٹ والے پیر دمڑیا کا خاندان۔

سید مبارک علی مشہدی

مورث اعلیٰ عشری خرد کے بعد کے شجرہ کی تفصیل آپ اگلے صفحے پر تفصیل سے ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ یہ سلسلہ راقم الحروف کی بیٹیوں تک مرتب ہے۔

سید معصوم رضا
۳۲
تذکرہ سادات عشری
سید سعید
سید صاحب (لاپتہ)
سید ولی
بی بی بہوچا
سید خضر
عبدالرسول
بی بی مہرو
سید حسین علی
سید جعفر
سید مکارم (لاولد)
سید نور محمد
سید خلیل
سید سکندر
سید پیر محمد
سید پہاڑ
سید امیر
سید غیاث الدین
سید عارف (لاولد)
سید زین الدین (لاولد)
سید اشرف
سید فتح اللہ
سید الراج بخش
بی بی حسینہ
زوجہ سید زین
بھیک پور
بی بی لال (زوجہ سید ضیاء)
سید خیر الدین
سید نور الدین
سید عبداللطیف
سید لال (لاولد)
نوٹ: اس شجرہ میں پانچ اہم نام ہیں:
(۱) سید غیاث الدین
(۲) سید اشرف
(۳) سید خیر الدین
(۴) سید نور الدین
(۵) سید عبداللطیف
انہیں سے سلسلہ نسب آگے چلتا ہے۔
سید معصوم رضا
۳۱
تذکرہ سادات عشری
سید مبارک علی (مشہدی) مورث اعلیٰ
سید ابراہیم
سید لطف اللہ (لاپتہ)
سید جلال الدین
سید ظہیر الدین (لاولد)
اسم غیر معلوم (لاپتہ)
سید کبیر الدین
اسم غیر معلوم (لاپتہ)
سید جمن شاہ
سید میرن (لاپتہ)
سید پیران
سید مبارک
سید سعید
سید جمال
سید سالم
سید بازید
سید محمود
سید طاہر
سید شریف (لاپتہ)
سید مڑی
سید قطب
سید بھاری
بی بی جہلن
سید غلام مصطفیٰ
سید جلال الدین (لاولد)
بی بی ربیعہ
(زوجہ تاج محمود گوپالپور)
بی بی ایدال

سید غیاث الدین
سید دادا کا خاندانی سلسلہ
سید مبارک علی
سید ابراہیم علی
سید جلال الدین
سید کبیر الدین
سید چمن شاہ
سید پیران
سید مبارک علی
سید سعید
سید ولی
سید جعفر
سید غیاث الدین
سید محمد عطا
سید قدرت علی
سید جمال علی
سید تراب علی
سید علی (پیش نماز کربلائے معلی)
سید ضامن علی
سید صداقت حسین
سید آغا محمد
سید ابوالحسن
سید بہادر حسین
سید ابوذر
حمیدہ خاتون
زوجہ سید ظفریاب حسین عشری
کلثوم النساء
زوجہ سید ناظر حسن عشری
سید امام الزماں عرف سید (پاکستان)
بی بی ہاشمی
سید امیر علی
عرف
دلاور حسین
بی بی معصومہ
زوجہ سید امداد امام عشری
محمد غفاری
سید افضل امام
(پاکستان)
سید انور امام
(پاکستان)
جمیلہ خاتون
زوجہ سید اسعد رضا سکین پور
سید فرخ رضا
خیراتی
کفایت
لڈن
اختری
لاڈلی
نقی امام گڈو

سید اشرف
مولانا سید اظہار الحسنین صاحب کا خاندانی سلسلہ
سید مبارک علی
سید ابراہیم علی
سید جلال الدین
سید کبیر الدین
سید چمن شاہ
سید پیران
سید مبارک علی
سید سعید
سید عبدالرسول
سید سکندر
سید اشرف
سید تقی
سید حمیدو
سید طاہر
سید مصاحب علی
سید امجد علی
سید غلام حسین
مولانا سید اظہار الحسنین
(پاکستان)
مولانا سید حامد حسین
(بہرائچ)
حکیم سید محمد بشیر
مظفر النساء
(پاکستان)
سید مرغوب الحسنین
(پاکستان)
سید ناظر الحسنین
(پاکستان)
سید تمیز الحسنین رضوی
(نیوجرسی امریکہ)
عظمیٰ نیلوفر
ریحانہ تہذیب
تبسم
مولانا سید رضوان ارسلان رضوی
سید ندیم افتخار رضوی
سید شاہد رضوی (مرحوم)

سید اشرف

حکیم سید محمد بشیر صاحب کا خاندانی سلسلہ

حکیم سید محمد بشیر

- بی بی معصومہ (زوجہ سید ظفر صاحب مصطفیٰ آباد)
  - ریاض بانو (زوجہ سبط صاحب)
    - ارشاد
  - عالیہ بیگم (زوجہ منظور عباس)
    - اختر عباس
  - سید علی ظفر
    - اختر (مرحوم)
  - سید حسن ظفر
    - نذر عسکری ننو
  - سید یحییٰ ظفر
    - معصوم ظفر
      - انم
    - شہنشاہ ظفر
      - ذیشان
      - عباس
    - شبیر
  - سید اعجاز حسین
    - سید اصغر مجتبیٰ
  - سید مشتاق حسین
    - غلام حسین (میثم)
    - غلام عباس (جون)
  - سید اقبال حسین
    - قمر اقبال (سونو)
    - عون
- بی بی صغریٰ (زوجہ سید غلام مصطفیٰ دلپت پور)
  - سید ذکی حسن
    - شمیم
  - نجم النساء حنی (زوجہ حسنی صاحب گوپالپور)
    - مولانا سید تقی رضا اچھن گوپالپور

مولانا سید حامد حسین

- سید تہذیب الحسن
  - روحی
  - سید تقی
  - صبوحی
- ریحانہ
- سلطانہ
- سید محمد رضوی
  - رعنا رضوی
  - سید منظور مسعود
  - شائستہ
  - منظور حسنین
  - صغیر امام
- سید منظور محسن
  - شہلا خاتون
  - سہیل اصغر تقی
  - محمد یوسف
- ڈاکٹر سید منظور تقی
  - صبا تبسم
  - سید حسن
  - سید ذکی
  - سید زین
- بخشش امام باقر
  - سیدہ زہرہ
- سید ریاض عسکری صادق
  - فرخ رضوی
  - جعفر رضوی
- صغیر عابد کاظم
  - حسین حامد
  - زینب رضوی
- سید رضا رضوی
  - طٰہٰ رضوی
  - قاسم رضوی

سید اشرف
سید سرور رضا کا خاندانی سلسلہ
سید مبارک علی
سید ابراہیم علی
سید جلال الدین
سید کبیر الدین
سید چمن شاہ
سید پیران
سید مبارک علی
سید سعید
سید عبدالرسول
سید سکندر
سید اشرف
سید آل محمد
سید غلام علی
سید فیض علی
سید تصدق حسین
سید بخشش حسین
سید غلام مرتضیٰ
سید صاحب حسین
سید صاحب رضا
سید حسن اختر (عرف ننھو)
مشتری بانو
سید قیصر رضا
سید سرور رضا
خورشید بانو
سید فیض علی
شبر رضا
ثانی زہرا
قمبر رضا
شاداب رضا
شارب رضا
کنیز فاطمہ
زوجہ رضا امام گذرہ عشری خرد
ذیشان حیدر
ریاض فاطمہ
زوجہ سید حسن اختر عشری خرد
سید معصوم رضا نجو
زاہد رضا
کہکشاں
افشاں
ناظم رضا
صادق رضا
سید اشرف
سید غدیر حیدر کا خاندانی سلسلہ
سید مبارک علی
سید ابراہیم علی
سید جلال الدین
سید کبیر الدین
سید چمن شاہ
سید پیران
سید مبارک علی
سید سعید
سید عبدالرسول
سید سکندر
سید اشرف
سید غلام نجف
سید محمد عوض
سید تاج محمود
سید اسد علی
سید خواہش علی
سید نعمت حسین
سید حسن رضا
سید اطہر حسین
سید علی اختر
سید مظفر عباس (پاکستان)
سید غدیر حیدر
سید امیر حیدر
بیٹیاں (تین)
ذیشان حیدر
عمران حیدر
شہباز
ارمان حیدر
قمر حیدر
سید مظہر علی
سید قدامت اللہ
سید شوکت علی
سید معشوق علی
سید علی نقی
سید مظفر سجاد حسین
سید مظاہر حسین
سید منظور حسین (پاکستان)
سید باقر رضا
سید ہاشم رضا (پاکستان)
سید حبیب حسین
سید افتخار احمد حسینی
سید عبادت حسین
سید وارث علی (لاولد)
سید علی ابراہیم
سید علی محمد (پاکستان)
سید محمد عسکری
صابرہ
شاکرہ

سید اشرف
سید افسر حسین شوکت صاحب کا خاندانی سلسلہ
سید اطہر حسین
سید محمد اصغر
سید اطہر حسین
سید مظہر حسین
بی بی حسنو
زوجہ
حکیم سید جواد اصغر
سید محمد اکبر
سید طالب حسین
(پاکستان)
سید قیصر حسین
(کناڈا)
سید صابر حسین
(پاکستان)
سید ذاکر حسین
(پاکستان)
سید افسر حسین شوکت
حمایت حسین
ہدایت حسین
مشتاق حسین
محمد آصف
محمد شوذب
ایمن فاطمہ
سلمان حیدر
عقیل حیدر
مریم فاطمہ
محمد اکبر
امن فاطمہ ایلی
محمد قاسم
رباب فاطمہ
زوجہ ظفر حسین عشری
منظر حسین
حسنا
نثار حسین
ذوالفقار حسین حسن
زوار حسین افن
انجم فاطمہ
ممتاز حسین ججر
سجاد حسین کو
ریاض حسین
عابد حسین
ارشد حسین
کائنات فاطمہ
نشاط فاطمہ
فروا
سارا
ہاجرہ
محمد
ریحان علی
فرحان علی
ارسلان علی
انما
عطیہ
ایلیا
اصغر علی
زینب علی
تطہیر
سید اشرف
سید افتخار احمد حسینی صاحب کا خاندانی سلسلہ
سید افتخار احمد حسینی
بانو صغری
(پاکستان)
خورشیدی بانو
اقبال احمد
حسیم بانو
زوجہ
محمد حسنین صاحب
عشری
جمال احمد
شمیم بانو
نسرین بانو
شہناز بانو
جاوید احمد
نہال احمد
تنویر احمد
اکبر رضوی
ارشد رضوی
بلال رضوی
علیشا
بینی
محمد
حسن
روش
معراج
وصی
عابد رضوی
مدحت فاطمہ
عامر رضوی
سید اشرف
سید عون محمد نجم صاحب کا خاندانی سلسلہ
سید علی ابراہیم
سید عون محمد نجم
سید محمد حسنین
سید محمد حیدر
نصرت فاطمہ
زوجہ
حکیم امام
عشری
رضوان حیدر
عرفان مہدی
نکہت فاطمہ
حیدر مہدی
ریان
لالہ حیدر
سروش حیدر
رفعت
محمد محسن
محمد احسن
محمد جون
زہرہ
نوشابہ
کمیل
صبوحی
سہیل

سید خیرالدین

سید فتح یاب صاحب کا خاندانی سلسلہ

- سید مبارک علی
- سید ابراہیم علی
- سید جلال الدین
- سید کبیرالدین
- سید حسن شاہ
- سید لدن
- سید مبارک علی
- سید سعید
- سید عبدالرسول
- سید پیر محمد
- سید خیرالدین
- سید نذر

سید مراد علی

- سید محمد حسین
  - سید محمد صادق
    - سید مراد امام
      - محمد حسن
        - کنیز فاطمہ
        - گڑیا
      - محمد عباس
        - محمد حیدر
        - محمد عابد
        - محمد اکبر
        - مہناز
    - سید امداد امام
    - غلام امام (لاولد)
- سید امداد علی
  - سید فتح علی
    - سید محمد امیر
      - سید غلام حیدر
        - سید ظفریاب حسین
          - سید فتحیاب حسین
            - حسن عسکری عدنان
            - مسرت
            - عمران
            - نوازش
            - عرفان
            - خوشنود
          - سید فیضیاب حسین (پاکستان)
          - سید کامیاب حسین (پاکستان)
          - پروین زوجہ افضل پٹنہ
          - سید حسن امام
            - تحریم زہرہ
      - سید ناظر حسین
        - مہرالنساء (لاولد)
        - امیرالنساء زوجہ پیکو صاحب کوکھر
      - سید نذر حسن (لاولد)
      - حکیم سید جواد اصغر
        - صفیہ خاتون زوجہ ابرار حسین کوکھر
        - رضیہ خاتون زوجہ افتخار احمد حسینی عشری
        - سید اختر عباس
          - قمر
          - محمود (پاکستان)

سید خیرالدین

سید اختر امام صاحب کا خاندانی سلسلہ

مولوی سید امداد امام صاحب

- سید اختر امام
  - رضا امام
    - سید زماں امام عنبر
    - کلثوم فاطمہ
    - ثمر امام
  - منتظر امام
    - فاطمی
    - ابوطالب
  - حنا
- سید احسن امام
  - انتظار امام
  - ظہور امام
  - بیٹیاں (پانچ)
    - ریاض فاطمہ
    - شمیم فاطمہ
    - شہناز فاطمہ
    - شکیل فاطمہ
    - رئیس فاطمہ
- سید مصطفیٰ امام
  - شبنم
  - ڈولی
  - ڈیزی
- سید مرتضیٰ امام
  - صوفیہ
  - مجتبیٰ امام
  - تقی امام
- رجّو زوجہ مظاہر صاحب کرنپورہ
- منی زوجہ غلام عباس حسنی سادات
- منجھی زوجہ بچن صاحب [illegible]

اختر امام صاحب کے دو صاحبزادے اور ہیں جن میں ایک سید صادق امام آگاؤ میں رہتے ہیں۔ اختر امام صاحب کی اہلیہ کے پہلے بیٹے سید محمد علی عشری میں مقیم ہیں۔ ان کا شجرہ اس طرح ہے:

سید محمد علی

- سید ارشد علی
- اسد علی
- سید افسر علی

نوٹ:- مولوی امداد امام صاحب کی شخصیت ایک محترم شخصیت تھی انھوں نے علامہ جمیل مظہری کی بسم اللہ کرائی تھی اور ان کے استاد تھے۔

سید نور الدین
مہدی فیصل کا خاندانی سلسلہ
سید مبارک علی
سید ابراہیم علی
سید جلال الدین
سید کبیر الدین
سید حسن شاہ
سید پیران
سید مبارک علی
سید سعید
سید عبدالرسول
سید پیر محمد
سید نور الدین
سید ہدایت اللہ
سید نادر بخش
سید فتح علی
سید مہدی حسن
سید مصطفیٰ حسن
سید مرتضیٰ حسن
تفصیل اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں
سید حیدر حسن
حکیم صفدر حسن (لاولد)
سید نادر حسن
سید قادر حسن
تفصیل اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں
سید علی امام (پاکستان)
سید حسن امام
تفصیل اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں
سید احمد حسن
بی بی قائمہ (لاولد)
سید محمد حسن
شوکت امام
تارہ
رضا امام
ڈاکٹر سید نذر امام
منو
ننھو
منھی
سید جعفر رضا
راجو
سید محمد رضا
ضیا امام
تنویر امام
طلعت فاطمہ نادرہ
زوجہ اقبال احمد عشری
نیر امام
نور الفاطمہ
عین الفاطمہ
مہر امام
افروزی
رضوان رضا
ریحان رضا
علی رضا
شیریں
اسد امام
نوشین
رضا امام
معصومہ
حیدر امام
سکینہ
انجم
منجو
ثروت
نازیہ
زوجہ جعفر امام عشری
نادر رضا
کبریٰ
صغریٰ

سید نور الدین
سید غلام محمد صاحب کا خاندانی سلسلہ
سید مبارک علی
سید ابراہیم علی
سید جلال الدین
سید کبیر الدین
سید حسن شاہ
سید پیران
سید مبارک علی
سید سعید
سید عبدالرسول
سید پیر محمد
سید نور الدین
سید ہدایت اللہ
سید قادر بخش
سید خواجش علی
سید حمایت حسین
سید احمد علی
حکیم سید زین العابدین
سید بندہ حسن
سید ابو محمد
سید حسن رضا (مرحوم)
سید سبط حسن
بی بی صدیقہ
زوجہ ابو الحسن صاحب گوپال پور
اعجاز فاطمہ
غلام محمد
سائرہ بانو
احمد علی
سیدہ
مولانا سید اختر صاحب
گوپال پور
حمید اصغر صاحب
گوپال پور
عزیزہ فاطمہ
زوجہ ناصر حسن
ناصر رضا
شمیم فاطمہ
سید اجتبیٰ حسن
(پاکستان)
انیس فاطمہ
کنیزہ فاطمہ
نرجس بانو
زوجہ حمید اصغر صاحب گوپال پور
نسیمہ خاتون
حسینہ خاتون
نجمہ خاتون
شمیم حسن

عباس منزل
سید نورالدین
مہدی قیملی کا خاندانی سلسلہ
سید مرتضیٰ حسن
بی بی ذکیہ خاتون
(زوجہ سلامت علی، حسین گنج)
سید علی اکبر مرحوم لاولد
(زوجہ بی بی آنسہ خاتون عشری)
سید علی عباس
غلام عباس
شہربانو
حسن عباس
شکیلہ بانو
زوجہ نصیر حسن عشری
شکیل عباس
روحا
روشی
بیٹیاں (سات)
سکینہ، سلطانہ، زینت
عصمت، رنجو، روحی، ثریا
فیاض عباس
عشرت
جمیل عباس
نیاز عباس
روزی
نازیہ
نادرہ
سید صفدر رضا
عنایت زہرہ
عنایت صغریٰ
عنایت کبریٰ
سید اظہر رضا
طلعت زہرہ موتی
سید تسیم رضا مرحوم
سید شمیم رضا
سید سلیم رضا
الحان رضا
فرمان رضا
فاطمہ
سید جاوید رضا بھئو
سید معصوم رضا اچھے
یاسمین بانو
زوجہ اختر عباس کاظمی
سید صادق رضا
سید مہدی رضا
تطہیر فاطمہ
سید عباس مرتضیٰ
فردوس فاطمہ
فرحت فاطمہ
ناصر عباس کاظمی
رضا عباس کاظمی
عنایت فاطمہ

سید نورالدین
مہدی قیملی کا خاندانی سلسلہ
سید حسن امام
سید نقی امام
سید فضل امام
سیدہ زہرہ خاتون
(منی)
زوجہ سید سجاد عباس عابدی مرحوم
سید تحکیم امام
عذرا خاتون
(قمری آرہ)
سید نوشاد امام
سید جوہر امام
سید گوہر امام
سید اکبر امام
سیدہ نکہت امام
سیدہ نازیہ عباس عابدی
سید محمد حسین
سیدہ طاہر
سید ابوذر امام
سید قادر حسن
سید غلام حسین (پاکستان)
سید امیر حسن
بندیلہ
کلثوم
سید نصیر حسن
نہال احمد
عسکری بانو
زوجہ ہدایت حسین عشری
طلعت بانو
عصمت
زوجہ رضی احمد عشری
قمر علی
حیدر علی
ندا
ناہید
علی
تسنیم بانو
سید محمود اصغر عباس
نسیم بانو
سید مظہر عباس
جون

نوٹ: سید محمد شاہد صاحب کی اہلیہ نے اپنے بہن کے نواسے کو گود لے لیا جن کا نام نثار احمد ابن محمد رضا وطن گرولی رمہاراج گنج سیوان تھا۔ نثار احمد کے ساتھ ان کے بڑے بھائی مختار احمد بھی عشری چلے آئے اور اب یہ شاہد دادا کے وارثین کے طور پر عشری میں قیام پذیر ہیں۔ اب ان کی مستقل سکونت عشری میں ہی ہے ان کا شجرہ درج ذیل ہے:

مخدوم سید حسن دانشمند (دو بیٹی اور تین بیٹے تھے)

- **سید احمد کمال الدین** — مورث اعلیٰ نواوہ حاجی پور
- **سید مبارک علی** — مورث اعلیٰ عشری
- **حضرت سید حسین** — بھاگلپور (بہار)

سید احمد کمال کا سلسلۂ نسب جانا پور حاجی پور اور نواوہ کلاں وغیرہ میں چلا۔ لیکن بصد افسوس یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا شجرہ نسب فی الحال کہیں موجود نہیں ہے۔ غالباً امریکہ میں کسی صاحب کے پاس اس کی تفصیل موجود ہے فی الحال اس شجرہ میں صرف چند پشتوں کی معلومات محترم سید مبارک علی (نواوہ) سے موصول ہوسکی ہے جو اس کتاب میں بطور اضافہ شامل کر رہا ہوں۔ (سید معصوم رضا)

سید میمنت علی خاں

- سید رضا محمد
  - اسم نامعلوم
    - سید حسن
    - سید قمر الحسن
  - سید علی رضا
    - سید احمد رضا
      - مہدی رضا
      - صفدر
      - حیدر
    - سید حسن رضا
      - رجن
        - شبر
        - مولانا معصوم
      - عسکری رضا (ڈاکٹر)
        - وقار
        - شاہ
        - محمد
    - سید مرتضیٰ حسین
      - مصطفیٰ حسین
      - بیگم
      - چاند
        - محسن
        - احسن
        - شہزاد
        - نوشاد
      - اعجاز
    - اختر جہاں
    - کاظمی بیگم
    - سید مبارک علی
      - عباس علی
        - رضا علی
        - نجمہ
      - بیٹیاں (تین)
      - سید ناصر علی
        - زہرہ
        - زینب
        - سید امیر مختار رضوی
  - سید علی نواب

ہندوستان میں شیعت اور حسینیت

سید معصوم رضا

تاریخ انسانیت میں امام حسینؑ کی شخصیت وہ زندہ جاوید شخصیت ہے جس نے دین اسلام کو فروغ دیا اور عالم انسانیت کو خودداری، بیداری اور صبر کا سبق پڑھایا۔ امام حسینؑ کا کردار مثالی کردار ہے جس سے تا قیامت انسان فیض حاصل کرتا رہے گا۔ رسول اسلام محمدؐ کی شخصیت عالم کے لئے رحمت اللعالمین کی ہے ان کے بعد سب سے ممتاز شخصیت حضرت علی ابن ابی طالب کی ہے جن کی شخصیت عالم اسلام کے لئے ہی نہیں بلکہ عالم انسانیت میں بھی جری، شجاع اور بہادر کے ساتھ ساتھ ماہر علوم وفنون کی بھی تھی۔ حضرت علیؑ کی شخصیت محراب و منبر کی رونق تھی۔ رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد ہی علیؑ کے چاہنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا جو شیعان علیؑ سے منسوب کئے گئے۔ شیعت کی ابتدائی تاریخ میں بھی بے تحاشہ اضافہ نہیں ہوا بلکہ واقعات کربلا کے بعد باقاعدہ شیعہ مسلمانوں کا ایک گروپ وجود میں آیا۔ رفتہ رفتہ شیعان علیؑ کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ دنیا کے دیگر ممالک میں بھی یزید کی مخالفت شروع ہوئی۔ احتجاج کے طور پر امام حسینؑ کی حمایت کے لئے ہندوستان سے بھی کچھ لوگ کربلا کے لئے روانہ ہوئے لیکن سفر کی طوالت سے تاخیر ہوگئی اور یزیدی سازش کامیاب ہوگئی۔ امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کی شہادت کے بعد جو لوگ بھی ہندوستان واپس آئے انہوں نے محرم کے مہینے میں امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کا سوگ منانا شروع کیا جس سے ہندوستان میں عزاداری کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا جو حسینی برہمنوں نے شروع کیا جس میں جاٹ اور دت برہمن شریک ہوتے تھے۔ دوسری جانب وہ لوگ جو حضرت علیؑ کے شیدائی تھے انہوں نے بھی امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کا غم منایا۔

عزاداری کے یہ تمام ابتدائی نقوش ہی ہندوستان میں شیعت اور عزاداری کے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہندوستان میں شیعت کے ابتدائی نقوش کی تلاش و تحقیق میں جو دستاویزی ثبوت ملے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے عہد خلافت یعنی ۳۹ھ کے قبل ہی ہندوستان میں چند معتبر حضرات ایسے تھے جن کی پہچان شیعہ کے طور پر کی جاتی ہے۔ ان میں سب سے پہلے حضرت علیؑ کے لشکر کا ایک سپاہی حارث بن مرہ العبدی تھا جس نے ۳۹ھ میں سندھ کو بحکم حضرت علیؑ اسلامی فتوحات میں شامل کیا۔ اس کے بعد امام جعفر صادقؑ کے حلقۂ درس میں چند ہندوستانی علوم قرآنی اور فلسفۂ آل محمدؐ کے درس میں شامل تھے۔ ان کے اسمائے گرامی تھے۔ فرخ سندھی، خلاد سندھی، بزار، ربان بن محمد سندھی، طلحہ بن زید ابو الخزرج ہندی۔ یہ تمام لوگ اصحاب امام جعفر صادقؑ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے بعد ایک نام صباح بن نصر ہندی کا بھی ہے جو احکام و مسائل حضرت امام رضاؑ کی تبلیغ کرتے تھے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یقیناً یہ لوگ ہی ہندوستان میں شیعت کے ابتدائی نقوش کی داغ بیل ہیں۔ چھٹی صدی ہجری میں ایک تبلیغی مشن ہندوستان میں شیعت کی تبلیغ کر رہا تھا اس میں ملا علی نامی ایک فاضل شیعہ مذہب کی تبلیغ میں سرگرم تھے یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔

اس کے بعد مسلم سلاطین و حکمرانوں کے دور میں یہ سلسلہ باقاعدہ شروع ہو گیا مغل حکمراں ہمایوں کی ایران سے واپسی پر ایرانی علماء اور امراء بھی کثیر تعداد میں اس کے ساتھ آئے ہندوستان پر دوسری بار (۱۵۵۵ء) میں قابض ہونے کے بعد ہمایوں نے بیرم خاں کو کربلائے معلی بھیج کر ایک ضریح بنوائی جو قیمتی جواہرات سے مزین تھی جسے شاہی محل میں رکھا گیا۔ ہندوستان میں شیعت کے علاوہ تعزیہ داری کی شروعات میں ایک عام روایت زبان زد اور مشہور ہے کہ تعزیہ کا موجد امیر تیمور تھا۔ روایت مشہور ہے کہ امیر تیمور ہر سال محرم میں امام حسینؑ کے روضۂ کربلائے معلی پر حاضری دیتا تھا لیکن ہندوستان پر حملہ کے دوران محرم کا چاند نظر آ گیا اس نے اسی سال اثنائے محرم میں روضۂ مطہر امام حسینؑ کی شبیہ تیار کرائی اور اپنی عقیدت کے آنسو پیش کئے۔ وہ ضریح پیش نظر رہی اور گریہ و ماتم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ یہیں سے ہندوستان میں تعزیہ داری کا سلسلہ شروع ہوا۔

ہندوستان کی تاریخ میں بہمن سلطنت اور بعد میں اس کی پانچوں دکنی سلطنت یعنی احمد نگر، بیجا پور، گولکنڈہ، بیدر اور برار کی خود مختار سلطنتوں میں منقسم ہو چکی تھی ان پانچوں سلطنتوں کو شیعہ مذہب ورثے

میں ملا تھا لیکن احمد نگر کی نظام شاہی حکومت کو جو ۱۴۹۰ء سے ۱۶۳۵ء تک قائم رہی شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں خصوصی اہمیت حاصل رہی۔ بیجا پور سلطنت کا بانی عادل شاہ وہ پہلا شخص تھا جس نے شیعہ اذان کہنے کا حکم دیا اور خطبوں میں بارہ اماموں کے نام لینے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد گولکنڈہ میں قطب شاہی حکومت کے بانی قطب الملک نے بھی اس روایت کو شروع کیا۔ پانچوں سلطنتوں میں شیعت کی تبلیغ آزادانہ طور پر ہوئی۔ دکن کے ساتھ ساتھ اودھ کے حکمرانوں نے بھی شیعت کی تبلیغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کے علاوہ جونپور کے مسلم حکمرانوں نے بھی شیعت کی تقلید کی اور تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔ خواجہ جہاں ملک سرور نے دہلی سے سلطان الشرق کا خطاب پا کر جونپور کو اپنا مرکز بنایا۔ خواجہ جہاں کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے مبارک شاہ شرقی نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اس طرح پورب کی آزاد و خود مختار سلطنت کی بنیاد پڑی۔ مبارک شاہ شرقی کے انتقال کے بعد ابراہیم شاہ شرقی (۱۴۰۱ء تا ۱۴۴۰ء) نے جونپور کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس نے جونپور میں چالیس سال حکومت کی اس کے زمانے میں لاہور، ملتان اور دہلی مرکز علم و فن تھے جہاں سے علماء و فضلاء منتقل ہو کر پورب کے اطراف آ گئے اسی علم کے شہرہ سے جونپور "شیراز ہند" کہلایا۔ سبھی شرقی سلاطین شیعہ اثنا عشری عقیدے کے ماننے والے تھے ان میں سلطان ابراہیم شاہ کو ممتاز حیثیت حاصل تھی۔

خواجہ جہاں ملک سرور، مبارک شاہ شرقی، ابراہیم شرقی (۱۴۰۱ء تا ۱۴۴۰ء) سلطان محمود شاہ شرقی (۱۴۴۰ء تا ۱۴۵۷ء) سلطان حسین شاہ شرقی (۱۴۵۷ء تا ۱۴۸۷ء) ہندوستانی تاریخ میں شرقی دور پوری پندرہویں صدی پر محیط ہے۔ جونپور کے زیادہ تر قلعہ محلات، مسجدیں، خانقاہیں، عزا خانے یا امام باڑے اور مقبرے وغیرہ شرقی حکومت کی یادگاریں ہیں۔ جونپور اور شرقی حکومت کو سکندر لودھی (۱۴۸۹ء تا ۱۵۱۷ء) کے عہد میں سیاسی شکست و ریخت اور ثقافتی تنزلی کا شکار ہونا پڑا۔ سکندر لودھی نے حسین شاہ شرقی کو شکست دی اور جونپور کو دہلی میں ملا لیا۔ لودھی کے چھ مہینے کے قیام میں جونپور میں خوف و ہراس طاری رہا۔ اس نے جونپور کی ثقافتی شان و شوکت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ شیراز ہند کا شیرازہ بکھر گیا۔ امام باڑوں خانقاہوں اور مدرسوں کو تباہ و برباد اور زمین بوس کر دیا۔ سکندر لودھی کے زمانے میں ہی تمام علمائے دین اور مشاہیر کے ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی ہجرت اور منتقلی میں میر ملک فتح اللہ نے جونپور سے رخت سفر باندھا اور شرقی حکومت کی آخری سرحد پر بمقام عشری جا کر قیام کیا۔ یہاں انہوں نے اپنا ایک مدرسہ قائم کیا جہاں لوگ مذہبی علوم کا درس حاصل کرتے

گے۔ موجودہ سیوان ضلع کی قدیم اثناء عشری بستی ''عشری'' میں قائم مدرسے کو عالمگیر شہرت حاصل ہونے لگی۔ تبلیغ شیعت کا یہ ایک اہم اور قدیم مرکز تھا جہاں مذہبی درس حاصل کرنے کے لئے مدرسہ بھی تھا اور دارالاقامہ (Hostel) کا ذکر بھی موجود ہے جہاں سے سید حسن دانشمند کے تحصیل علم اور فارغ التحصیل علم ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ سید حسن دانشمند اور میر ملک فتح اللہ کی شخصیت قدیم سارن ضلع میں ایک معتبر عالم دین اور موجودہ مخدوم صاحب کی ہے۔ یہ معتبر شخصیات امام زین العابدینؑ کی نسل سے ہیں اور راقم الحروف کے آباء و اجداد میں ان لوگوں کا شمار ہوتا ہے جن کے خاندانی سلسلے سے ضلع سیوان کی قدیم شیعہ بستی عشری خرد کا موجودہ وجود ہے جہاں ایام عزا میں عزاداری کا باقاعدہ اہتمام ہوتا ہے۔ صفِ ماتم بچھائی جاتی ہے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور مجلسوں، جلوسِ تعزیہ، علم اور تابوت کی شکل میں تبرکات کی زیارت کا اہتمام ہوتا ہے۔

ہندوستان میں شیعت اور عزاداری کی تحقیق میں چند اہم سادات بستیوں کا ذکر فروغ عزاداری اور حسینیت کی تبلیغ میں کیا جائے گا تو عشری کا ذکر بھی بہار کی عزاداری کے حوالے سے کافی اہم ہوگا۔ محرم میں ذکرِ امام مظلوم اب تو ہر جگہ بڑے اہتمام سے کیا جاتا ہے۔ ایام عزا میں مجلس و ماتم کا سلسلہ دو مہینے آٹھ دنوں تک ہندوستان کے زیادہ تر شیعہ بستیوں اور آبادیوں میں قائم ہو چکا ہے۔ (آمین)

□□□

کیا آپ جانتے ہیں نوحہ کیا ہے؟

مصیبت بیان کرنا، آواز کے ساتھ گریہ کرنا یا کسی کے غم میں پڑھے جانے والے ہجیہ اشعار کو نوحہ کہا جاتا ہے۔ لیکن عزائے سید الشہداء میں نوحہ شعر کی اس خاص صنف کو کہا جاتا ہے جس کو مجالس کے بعد ماتم کرتے وقت یا ہجیہ انداز میں پڑھا جاتا ہے۔ اگرچہ آج کل ہر طرح کے اشعار پر ماتم ہوتا ہے ان میں فضائل، خوشی اور رزم حتی کہ دوسرے قسم کے اشعار بھی شامل ہوتے ہیں جن سے ماتم اور گریہ اور غم کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور غمزدہ ماحول کے بجائے ماتمی دستوں اور انجمنوں میں عجیب ماحول پیدا ہو جاتا ہے جو روحِ نوحہ و ماتم کے خلاف ہے اور جس سے پرہیز کرنا ہے نوحہ خوان کے لئے ضروری ہے۔ اس کے بعد عجیب و غریب طرز اور دھنوں کے استعمال کے بجائے نوحہ کو صرف دردناک انداز میں ہونا چاہئے جس سے ہر شخص کی آنکھ میں آنسو آجائے اور دل متاثر ہو تا کہ واقعۂ کربلا کی عظمت باقی رہے اور اس کا وقار مجروح نہ ہونے پائے۔

(ماخذ: کربلا ڈکشنری، ناشر: العلم پبلی کیشنز، ممبئی)

عشری کی قدیم روایتی عزاداری

سید سرور رضا عشروی

اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ صوبہ بہار کے ضلع سیوان کی ایک پرانی بستی عشری خرد کی قدیمی اور روایتی عزاداری پر مشتمل ہے۔ آج سے تقریباً چھ سو برس قبل ایران سے ایک بزرگ جن کا نام سید مبارک علی صاحب مشہدی تھا یہاں آئے۔ اس بستی میں سکونت اختیار کی جو خانوادۂ سادات سے تعلق رکھتے تھے اور جن کی ذریت عشری خرد میں آج تک آباد ہے۔

عشری کی سب سے قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہاں ایک ضریح مبارک ہے جو لکڑی کی بنی ہوئی ہے جس کا نقشہ بالکل روضہ امام حسین علیہ السلام سے مشابہت رکھتا ہے اور اسی انداز کی کربلا کی عمارت بھی ہے مگر اس کی کوئی روایت موجود نہیں ہے کہ یہ ضریح کب بنی اور کس نے بنائی۔ جس میں خوبصورت نقش و نگار اور باریک جالی کٹی ہوئی ہے اور خوبصورت کلسی لگی ہوئی ہے۔ یہ قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے اور غالباً اسی وقت سے یہاں پر عزاداری بھی قائم ہوئی ہوگی۔ اس عزاداری کے قائم و برقرار رکھنے کے لئے ایک انجمن قائم ہوئی جو آج بھی انجمن حسینیہ کے نام سے قائم ہے اور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ گو کہ بعد کے نوجوانوں نے ایک اور انجمن، انجمن عباسیہ کے نام سے قائم کی۔ یہ دونوں انجمنیں آج بھی موجود ہیں۔ انجمن حسینیہ میں نوحہ پڑھنے والے بھی تھے اور اس انجمن میں شاعر بھی تھے جن کے اسمائے گرامی ہیں واصف عشروی، غالب عشری وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی کئی نام پائے جاتے ہیں جنھوں نے اچھے اچھے نوحے لکھے اور پڑھے بھی۔ انجمن عباسیہ نوجوانوں کی انجمن تھی جس میں نوجوانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس انجمن نے فروغ عزاداری میں چار

چاند لگا دیے۔ قدیم طرز کا بھی خاص خیال رکھا۔ اس بستی کو ایک امتیاز یہ بھی حاصل ہے کہ یہاں ڈپٹی کلکٹر، رجسٹرار، مولانا، حکیم اور بہترین ڈاکٹر گزرے ہیں۔ سید نادر حسن ڈپٹی کلکٹر، سید علی عباس صاحب رجسٹرار، مولانا حامد حسین صاحب، مولانا اظہار الحسین صاحب، حکیم سید محمد شبیر صاحب، حکیم سید زین العابدین صاحب اور ڈاکٹر سید نذر امام صاحب وغیرہ۔ ڈاکٹر سید نذر امام صاحب نے آئی سرجن کی ڈگری لندن سے حاصل کی۔ انھوں نے ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ دیش رتن ڈاکٹر راجندر پرشاد کی آنکھ کا آپریشن کیا۔ بحیثیت آئی سرجن دوبار بحرین بھی گئے۔ اپنے وقت کے اچھے ادیب و شاعر میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وہ خود ہی نوحہ کہتے تھے اور خود ہی پڑھتے بھی تھے لیکن نوجوانی میں داغ مفارقت دے گئے۔ بعد میں بستی کو سید عون محمد نجم عشروی کی شکل میں ایک بہترین ذاکر ملا ان کی تحریری صلاحیت بھی خداداد تھی لیکن افسوس کہ یہ عروج پر نہ پہنچے تھے کہ زوال آ گیا اور بستی والے ان کی ذاکری سے محروم ہو گئے۔ ہر دور میں اس بستی نے اپنی ایک الگ پہچان قائم کی ہے جسے آنے والی نسل یاد کرے گی۔ یہاں پر کچھ مخصوص مجلسیں زمانۂ قدیم سے ہوتی آ رہی ہیں جس میں کچھ خاص مرثیہ خوانی اور نوحہ وغیرہ کا سلسلہ قائم ہے۔ اس مضمون کو لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ قدیم زمانے کے رسم و رواج کو متعارف کراتے ہوئے برقرار رکھا جا سکے اور جن مجلسوں میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس پر صدیوں تک عمل ہوتا رہے۔ جس مجلس میں جو ذکر ہوتا چلا آ رہا ہے اس کی تفصیل اس مضمون میں درج کی جا رہی ہے تا کہ اس زمانے کے بچے اسے فراموش نہ کر سکیں اور اپنی مجلسوں کا وہی انداز رکھیں جو ہمارے آباء و اجداد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہاں کی عزاداری کا ایک خاص انداز رہا ہے جو ہم لوگوں نے اپنے بزرگوں سے مستعار لیا ہے۔ یہ ہمارے بزرگوں کی نشانی ہے جس کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے تا کہ آئندہ بھی وہ اپنے بچوں کو نصیحت کرتے رہیں۔

اس لئے کہ ہم تمنائے فاطمہؑ ہیں

تفصیل عزاداری

یوں تو چاند دیکھتے ہی سبھی عزا خانے کھل جاتے ہیں اور مجلسیں شروع ہو جاتی ہیں مگر میں کچھ مخصوص مجلسوں کا ذکر کر رہا ہوں جس میں شبیہ بھی برآمد ہوتی ہے۔ ۶ محرم شام میں لیکن عموماً رات میں نجم عشروی صاحب کے عزاخانے میں مجلس برپا ہوتی ہے جس میں حضرت علی اکبرؑ کے فضائل و

مصائب بیان ہوتے ہیں۔ یہ مجلس حلیم کی مجلس کے نام سے زمانۂ قدیم سے مشہور ہے۔ بعد مجلس تبرک کے طور پر حلیم تقسیم کی جاتی ہے۔ اس مجلس میں سوز:

جب کھا کے سنا خوں میں ہوئے تر علی اکبر　　اور گر پڑے گھوڑے سے زمیں پر علی اکبر
شبیر پکارے میرے دلبر علی اکبر　　اب پائے گا بابا تمہیں کیونکر علی اکبر

ٹوٹی ہے کمر جسم میں طاقت نہیں بیٹا
دل زخمی ہے آنکھوں میں بصارت نہیں بیٹا

سوز خوانی کے بعد جو مرثیہ پڑھا جاتا ہے اس کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں:

جب لے کے اذن اکبر شیریں سخن چلے　　بانو پکاری اے میرے گل پیرہن چلے
وادی اجاڑ کر کے ہمارا چمن چلے　　پیچھے جواں کے پیر امام زمن چلے

پردہ اٹھا جو خیمۂ گردوں پناہ کا
تو اک قمر طلوع ہوا مہر و ماہ کا

بعد مرثیہ نوحوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے لیکن ان میں کچھ قدیمی نوحے یہ ہیں:

شبیہ نبی اکبر نوجواں
امام شجاعت علی کے نشاں

اُف وہ اکبر کا مانگنا پانی
جس نے دل شہ کا کر دیا پانی

اس مجلس کے بعد ایک جلوس تابوت حضرت علی اکبر علیہ السلام فتح یاب صاحب کے یہاں کی مجلس کے بعد ان کے گھر سے امام باڑے تک آتا ہے جس میں بہت سے نوحے پڑھے جاتے ہیں لیکن خصوصاً یہ نوحہ پڑھا جاتا ہے:

ماتم شہ زمن کا صدیوں سے ہو رہا ہے
زندہ ہیں ہم زمیں پر یہ غم کا معجزہ ہے

محرم کی ۷ رتاریخ

ہر عزا خانے میں دن بھر مجلسیں ہوتی رہتی ہیں۔ آٹھ کی شب میں ۳ بجے شب میں مہدی کے

تعزیہ کا گشت نکلتا ہے۔ جس میں مرثیہ کا یہ بند پڑھا جاتا ہے:

لاش تو شاہ کی میدان سے لاتے ہیں حسین
زخمی دولہا کو عجب شان سے لاتے ہیں حسین

گشت ختم ہونے کے بعد سبھی لوگ جناب نجم عشروی صاحب کے عزاخانہ پر جھولے کی مجلس میں شریک ہونے چلے جاتے ہیں۔ بعد مجلس جھولے کی شبیہ برآمد ہوتی ہے۔ یہ وقت ۳ ربجے صبح کا ہوتا ہے۔ پہلے سوزخوانی ہوتی ہے:

روانہ سوئے لبن کو جو شیر خوار ہوا
زباں دکھانے پہ گردن سے تیر پار ہوا

اس کے بعد مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ مرثیہ خواں جب مصائب پر آتا ہے تبھی جھولا برآمد ہوتا ہے جو ایک جلوس کی شکل میں ضریح خانے تک لایا جاتا ہے۔ اس میں صرف ایک نوحہ پڑھا جاتا ہے:

بولی مادر کے اصغر ذرا جھول لو
جھولا لائی ہوں اے دلربا جھول لو

پھر اختتامی مجلس امام باڑے میں ہوتی ہے جس میں مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی ہوتی ہے۔ نماز صبح سے پہلے یہ مجلس ختم ہو جاتی ہے اور سبھی لوگ مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

محرم کی ۸ رتاریخ

صبح سے مجلسوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ رات میں علم کی گشت ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ تقریباً رات ۳ ربجے شروع ہوتا ہے۔ گشت میں مرثیہ کا یہ بند پڑھا جاتا ہے:

جب کٹ گئے دریا پہ علمدار کے بازو
شانوں سے جدا ہوگئے جرار کے بازو

بستی کے زیادہ تر حضرات علم نکالتے ہیں اور چوک کے کنارے لاکر نصب کر دیتے ہیں پھر امام باڑے میں مجلس ہوتی ہے جس میں سوز، مرثیہ اور بعد میں سرکاری علم برآمد ہوتا ہے۔ نوحے پڑھے جاتے ہیں علم کا جلوس امام باڑے سے برآمد ہو کر چوک کا طواف کرتا ہوا ختم ہو جاتا ہے۔ علم ضریح کے قریب نصب کر دیا جاتا ہے۔ صبح کی نماز سے قبل یہ مجلس اختتام پذیر ہو جاتی ہے اور زائرین مسجد کی طرف

نماز کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔

محرم کی ۹ رتاریخ

پہلی مجلس امام باڑے میں سید ظفر حسنین صاحب کی جانب سے ہوتی ہے۔ جس میں سوز:

جب وارث خلیل شہ کربلا ہوئے
اوّل خدا کی راہ میں اکبر فدا ہوئے

اس کے بعد مرثیہ:

بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے
بچے کی نبض دیکھ کے ماں بے حواس ہے

بعد مرثیہ کے کئی نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ یہ مجلس پانی کی مجلس کہی جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسری مجلس جناب حسنی صاحب کے عزاخانے میں مجلس ہوتی ہے جس میں عباس علمدار کے فضائل و مصائب بیان ہوتے ہیں۔ سوزخوانی میں یہ مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

جب ہوئے بازوئے عباس قلم دریا پر
گر کے ٹھنڈا ہوا حضرت کا علم دریا پر

اس مجلس میں مرثیہ یہ پڑھا جاتا ہے:

جب رن کو بادشاہ زمین و زماں چلا

اس مجلس میں کئی ایک نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ پھر فتح یاب صاحب کے امام باڑے کے پاس سے علم کا جلوس شروع ہو کر سید افسر حسین شوکت صاحب کے گھر تک جاتا ہے جہاں دوسرے علم سے میلان کرایا جاتا ہے پھر قدیمی ماتم و نوحہ ان کے گھر کے آنگن میں شروع ہوتا ہے۔ قدیمی نوحے کے ساتھ کئی ایک نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ خصوصی نوحے یہ ہیں:

زینب نے کہا رو کر ہٹ جاؤ بلا لوں گی
ارمان بھرے دل کا ارمان نکالوں گی

زینب حزیں کرتی تھیں یہ بین
زندہ میں رہوں ذبح ہوں حسین

آخری نوحہ بالخصوص روزانو بیٹھ کر ماتم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اس کے بعد ماتم اور پھر مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ مرثیہ یہ ہے:

جب بادبانِ کشتیٔ شاہِ امم گرا
یعنی زمیں پہ فوجِ خدا کا علم گرا

مرثیہ خوانی کے بعد ذاکری ہوتی ہے پھر گریہ وزاری سے کہرام مچ جاتا ہے۔ اس کے بعد مرثیہ کا باقی حصہ سید ضیاء امام صاحب کے عزاخانے میں پڑھنے کا قدیم سلسلہ ہے۔ پھر یہ سلسلہ دیگر مجلسوں سے ہوتا ہوا رات کو ختم ہوتا ہے۔ پھر تابوت کی مجلس سے پہلے تعزیہ کا گشت شروع ہوتا ہے اور بستی کے زیادہ تر گھروں سے تعزیے چوک پر لا کر رکھے جاتے ہیں۔ گشت میں یہ مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

مومنو خانۂ زہرا پہ تباہی ہے آج
گھر پہ سادات کے پانی کی مناہی ہے آج

اسی رات فتح یاب صاحب کی طرف سے کاغذ کا سب سے بڑا تعزیہ بھی چوک پر لا کر رکھا جاتا ہے۔ ضریح بھی اسی رات میں چوک پر نکالی جاتی تھی بعد میں تابوت کی مجلس ہوتی ہے جس میں تابوت امام حسین کی شبیہ نکالی جاتی ہے۔ بعد میں نوحے پڑھے جاتے ہیں اور پھر نماز صبح پڑھنے بھی لوگ جاتے ہیں۔ پہلے بھی اسی مجلس کے بعد زنجیری ماتم ہوتا تھا لیکن اب وقت بدل کر سہ پہر کا کر دیا گیا۔ مسجد سے واپس آنے کے بعد امام باڑے کے قریب عباس منزل کے سامنے اکھاڑے اور سپر کا جلوس نکلتا ہے اور ڈھول کا مقابلہ بھی ہوتا ہے۔ لاٹھی کے کرتب دکھائے جاتے ہیں۔ سپر گھمانے کا سلسلہ دو گھنٹوں تک چلتا ہے۔ گاؤں کے امیر، غریب، ہندو مسلمان بھی لوگ مع عورت مرد ایک جمِ غفیر کی شکل میں یہاں موجود ہوتے ہیں۔ پھر دس بجے کے بعد اعمالِ عاشورہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور دوپہر کے بعد مجلس امام باڑے میں شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد زنجیری ماتم اور پھر تعزیہ کا جلوس کربلا کے لئے روانہ ہو جاتا ہے۔ اس جلوس میں مخصوص نوحہ:

اے دھرم پجاری گائے جا
کربل کی کتھائیں سنائے جا

پڑھا جاتا ہے ساتھ ہی ساتھ تعزیہ کے جلوس میں سواری بھی پڑھی جاتی ہے۔

جب ہوئی ظہر تک قتل سپاہِ شبیر

جلوس کربلا پہنچتا ہے سب لوگ کربلا میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پہلے سپرا مدفون ہوتا ہے پھر اس کے بعد دو مخصوص نوحے پڑھے جاتے ہیں:

الوداع مالکِ مشرقین الوداع
یا حسین الوداع یا حسین الوداع

السلام امامِ تشنہ کام السلام
بھیجتے ہیں آپ پہ غلام السلام

پھر کافی دیر تک ماتم ہوتا ہے اور کربلا سے واپسی کے بعد بھی لوگ امام باڑے میں شامِ غریباں کی مجلس میں جمع ہوتے ہیں۔ یہاں ذاکری کے بعد صرف ایک نوحہ پڑھا جاتا ہے:

ڈرو نا جنگل ہے رات اندھیری
ستارے کچھ جھلملا رہے ہیں

اس کے بعد بارہ محرم کو تیجا کی مجلس ہوتی ہے جس میں ذاکری کے بعد صرف ایک نوحہ:

سر پیٹو مومنوں شہہ بے سر کے پھول ہیں

اس کے بعد بستی تقریباً اپنی اصلی حالت میں آجاتی ہے۔ بھی لوگ اپنی اپنی جگہ واپس چلے جاتے ہیں لیکن عزاخانے میں روزانہ رات میں ایک مجلس منعقد کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ ۸ ربیع الاول تک یعنی دو مہینے آٹھ دن تک یہ سلسلہ چلتا ہے۔ اسی درمیان میں چہلم بھی ہوتا ہے اور تابوت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام بھی ہوتا ہے۔ یہ تمام قدیمی سلسلہ آج بھی حسبِ دستور جاری ہے۔

□□□

نوحہ

۶ محرم حلیم کی مجلس کا مخصوص نوحہ

شبیہ نبی اکبر نوجواں ۔۔۔ امام شجاعت علی کا نشاں
تیرے غم میں روتا ہے سارا جہاں ۔۔۔ شبیہ نبی اکبر نوجواں
تجھے راس آئی نہ چڑھتی جوانی ۔۔۔ تڑپتی ہوئی رہ گئی زندگانی
بہار آتے ہی لٹ گیا گلستاں ۔۔۔ شبیہ نبی اکبر نوجواں
کہا رو کے مادر نے دل سے لگالوں ۔۔۔ میرے لال آ تجھ کو دولہا بنالوں
پدر کے سکوں ماں کے روحِ رواں ۔۔۔ شبیہ نبی اکبر نوجواں
یہ مقتل میں شہ کو ستم گر پکارا ۔۔۔ گرا ہے یہاں ٹوٹ کر ایک تارا
کلیجے پہ ہے جس کے دم ہچکیاں ۔۔۔ شبیہ نبی اکبر نوجواں
عجب حال میں شہ نے بیٹے کو دیکھا ۔۔۔ ہوئے مضطرب منہ کو آیا کلیجہ
لپٹ کر پکارے یہ آہ و فغاں ۔۔۔ شبیہ نبی اکبر نوجواں
زمانے کو احمد کا جلوہ دکھادو ۔۔۔ کہاں پہ ہو آواز اپنی سنادوں
کہو ظہر کی بیٹا اٹھ کر اذاں ۔۔۔ شبیہ نبی اکبر نوجواں
کر تھاے رن میں پدر ڈھونڈتا ہے ۔۔۔ ادھر ڈھونڈتا ہے اُدھر ڈھونڈتا ہے
پھر ایک بار آواز دو میری جاں ۔۔۔ شبیہ نبی اکبر نوجواں
پدر آگیا خوابِ غفلت سے چونکو ۔۔۔ کہاں درد ہوتا ہے منہ سے تو بولو
نہ آنے لگے موت کی ہچکیاں ۔۔۔ شبیہ نبی اکبر نوجواں

اکیلا سمجھ کر ڈراتے ہیں کافر ۔۔۔ مصیبت میں ہے کربلا کا مسافر
اب ایسے میں جاتے ہو بیٹا کہاں ۔۔۔ شبیہ نبی اکبر نوجواں
مدینہ سے صغریٰ نے لکھا ہے بابا ۔۔۔ کہاں پہ ہو تم میں تڑپتی ہوں بابا
کب آؤ گے لے جانے کو بھائی جاں ۔۔۔ شبیہ نبی اکبر نوجواں
ہر اک گھر میں مومن کے مہمان رہنا ۔۔۔ خدا کی قسم بن کے سلطان رہنا
چلے آؤ عرب سے ہندوستاں
شبیہ نبی اکبر نوجواں

□□□

آباء واجداد

مورث اعلیٰ سید مبارک علی کے شجرۂ نسب میں ساتویں پشت میں سید سعید کی شخصیت کافی اہم ہے انہیں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ سید مبارک علی کے بعد سارا سلسلۂ نسب سید سعید سے ہی شروع ہوتا ہے۔ سید سعید کے بعد تیسری پشت میں سید غیاث الدین، سید اشرف، سید خیرالدین، سید نورالدین اور سید عبداللطیف یعنی انہیں پانچ شخصیات کی اولادوں سے آج عشری کا وجود باقی ہے۔ جو لوگ عشری میں آج موجود ہیں یا پھر پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک میں عشری کی نمائندگی کر رہے ہیں وہ تمام لوگ جو براہ راست عشری کے خانوادے میں شامل ہیں وہ کہیں نہ کہیں انہیں پانچ شخصیات کی اولادوں میں سے ہیں۔

سیاسی روابط

حسن بھائی سیاست میں تھے مگر وہ ایک سچے نیشنلسٹ اور ایماندار سیاستداں تھے۔ موجودہ سیاستدانوں سے بالکل وہ مختلف تھے۔ وہ ایمانداری کی بنا پر مالی اعتبار سے پریشان حال رہے اور سیاست میں کامیابی حاصل نہ کر سکے مگر بڑے سیاستدانوں اور آفیسروں کے نزدیک اُن کی عزت بہت تھی۔ ان ہی کے وقت میں شری مہامایا بابو چیف منسٹر بہار کا عشری کا پروگرام بنا۔ اتنا ہی نہیں شری لال بہادر شاستری بھی حسن بھیا کے مدعو کرنے پر عشری انسانی برادری کی میٹنگ میں تشریف لائے تھے۔ بعد میں شاستری جی ملک کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اس طرح بڑی بڑی ہستیوں سے حسن بھائی نے اپنی بستی عشری کو روشناس کرایا اور اسے عزت بخشی۔

نــوحہ

اُف وہ اکبر کا مانگنا پانی — جس نے دل شہہ کا کردیا پانی
نوجوانی میں مر گئے اکبر — ماں کی محنت پہ پھر گیا پانی
مر گئے جب حسین تشنہ جگر — کیوں زمانے میں رہ گیا پانی
رہ گیا ٹوٹ کے دلِ عباس — مشک سے ہائے بہہ گیا پانی
آسرا تھا بڑا سکینہ کو — لا رہے ہیں مرے چچا پانی
جب لگی آگ شہہ کے خیموں میں — کروٹیں لے کے رہ گیا پانی

کنبہ سرور کا رہ گیا پیاسا
خوں رلانے کو رہ گیا پانی

□□□

نــوحہ

۶ رمحرم تابوت کے جلوس میں پڑھا جاتا ہے

ماتم شہہ زمن کا صدیوں سے ہو رہا ہے — زندہ ہیں ہم زمیں پہ یہ غم کا معجزہ ہے
اک قوم خلق ہوگی فرمان مصطفیٰ ہے — نام حسینؑ ہی سے اس قوم کی بقا ہے
دیکھو نظر نہ کرنا دریا پہ شام والو — بھاگو نہ دور آؤ تلوار تو سنبھالو
گر حوصلہ ہو دل میں آ کر اُسے نکالو — اس کو بلا کے لاؤ جو شام میں چھپا ہے
عباسؑ کے علم کا اعجاز کوئی دیکھے — کاندھے پہ مشک کی یہ پرواز کوئی دیکھے
سقائی کا نیا یہ انداز کوئی دیکھے — لپٹی ہوئی علم سے عباس کی وفا ہے
چلو میں لے کے پانی پھینکا جو علقمہ پہ — نہر فرات روئی غازی کی اس ادا پہ
ہے خاتمہ وفا کا عباس کی وفا پہ — بازو کٹا کے صفدر دریا پہ سو رہا ہے
قاسم نہ عونؑ و جعفرؑ اکبرؑ ہیں اور نہ اصغرؑ — سب قتل ہو چکے ہیں کوئی نہیں ہے سر پہ
فریاد کر رہی ہے شاہ نجف کی دختر — بیمار اک بھتیجا غش میں پڑا ہوا ہے
زینب کی بیکسی کا عالم نہ پوچھو سرور — بھائی کو دے کفن کیا سر پہ نہیں ہے چادر

ظالم لگا رہے ہیں رہ رہ کے دل پہ نشتر
بس ایک ہی رسن میں بارہ گلا بندھا ہے

□□□

سید سرور رضا عشروی

نــوحه

شب ۸ محرم صبح ۴ بجے (جھولا کی مجلس کا مخصوص نوحہ)

بولی مادر کے اصغر ذرا جھول لو
جھولا لائی ہوں اے دل رُبا جھول لو

جھول لو اے مرے مہ لقا جھول لو
جھولا لائی ہوں اے دل رُبا جھول لو

صبح کو رن میں تشنہ ہوں جاؤ گے تم
حلق نازک پہ پیکان کھاؤ گے تم

ایک شب کا ہے موقع ملا جھول لو
جھولا لائی ہوں اے دل رُبا جھول لو

کل تو دادی کی گودی میں جاؤ گے لال
زخم ہے ان کے پہلو میں رکھنا خیال

آج ہمراہ ماں کے ذرا جھول لو
جھولا لائی ہوں اے دل رُبا جھول لو

ڈر یہ کیسا ہے بیٹا ہمکتے نہیں
سہمے جاتے ہو جھولے میں کیوں مہ جبیں

کچھ نہ بولے گا اب حرملہ جھول لو
جھولا لائی ہوں اے دل رُبا جھول لو

اب نہ شاید تمھیں اس کی فرصت ملے
رَن سے آؤ نہ آؤ میرے لاڈلے

میرے ننھے سپاہی ذرا جھول لو
جھولا لائی ہوں اے دل رُبا جھول لو

دودھ بھوکے ہو، آؤ پلاؤں تمھیں
لوریاں دے کے بیٹا سلاؤں تمھیں

اے میرے بے زباں بے خطا جھول لو
جھولا لائی ہوں اے دل رُبا جھول لو

بھیا اکبر تو بابا پہ قرباں ہوئے
چھوڑ کر ساتھ مادر کا تم بھی چلے

آؤ اے میری جاں اب ذرا جھول لو
جھولا لائی ہوں اے دل رُبا جھول لو

تو نے اے ابن کاہل یہ کیا کردیا
میرے معصوم بچے کی کیا تھی خطا

اب میں کس سے کہوں گی ذرا جھول لو
جھولا لائی ہوں اے دل رُبا جھول لو

□□□

نــوحه

۹ محرم دن کی مجلس کا مخصوص نوحہ

زینب نے کہا رو کر ہٹ جاؤ بلا لوں گی
ارمان بھرے دل کا ارمان نکالوں گی

وہ دیکھئے میداں سے آتے ہیں بنے دولہا
سہرا علی اکبر کا میں جا کے سنبھالوں گی

میت ہے برابر کی بھائی سے نہ اٹھے گی
میں پالنے والی ہوں گودی میں اٹھالوں گی

ہفتم سے محرم کی بند آب و غذا ہوگی
میں خونِ جگر پی کر پیاس اپنی بجھا لوں گی

لاش آئی جو اکبر کی زینب نے کہا رو کر
پالا تھا تمھیں بیٹا اب درد کو پالوں گی

کبھی تھی کہ بیٹوں کو خود کر کے تصدق میں
پردیس میں بھائی کو آفت سے بچالوں گی

سونے کے لئے سینہ بابا کا جو ڈھونڈے گی
سینے پہ سکینہ کو میں اپنے سلا لوں گی

کبری و سکینہ سے جا کر یہ کوئی کہہ دے
سب ساتھ چلیں میرے میں دولہا بنالوں گی

کس طرح سے عترت کو بھولے گا یہ عاشورہ
یہ نیل طمانچوں کے میں شہ کو دکھا دوں گی

□□□

نوحہ

اس نوحہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ شوکت صاحب کے یہاں ۹ رمحرم کو دن میں بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے اور بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے ماتم ہوتا ہے پہلے نوحہ ماتم پھر مرثیہ وذاکری

زینب حزیں کرتی تھیں یہ بین   زندہ میں رہوں ذبح ہو حسین
کیا ظلم ہے کیسی یہ جفا   زندہ میں رہوں ذبح ہو حسین
یا خدا نہ ہو کوئی یوں غریب   مرتے دم نہ تھا آب اے نصیب
پہلے ہی نہ کیوں آگئی قضا   زندہ میں رہوں ذبح ہو حسین
زندہ رہ گئی میں اسیر غم   دیکھنے کو یہ ظلم اور ستم
پیاسا کٹ گیا شاہ کا گلہ   زندہ میں رہوں ذبح ہو حسین
کوئی اب نہیں جو مدد کرے   سارے اقرباء پیاسے مرگئے
کیا ہوئے علی کس کو دوں صدا
زندہ میں رہوں ذبح ہو حسین

□□□

(ہندی) نوحہ کربلا کا بلیدان

(جلوس عاشورہ میں پڑھا جاتا ہے)

کچھ ایسا پیارا راگ اٹھا   اندھیارے جگ کا بھاگ جگے
ایک ایسا سندر روپ دکھا   نینوں کی شکتی بول اٹھے
اے دھرم پجاری گائے جا   کربل کی کتھائیں سنائے جا
تیرہ سو برس اب سے پیچھے   اک ستیہ کا سندیشہ آیا
پربھو کے نام کا مان بڑھا   اور کرودھ کا پھیکا تیر ہوا
اے دھرم پجاری گائے جا   کربل کی کتھائیں سنائے جا
پربھو کے چہیتے احمد کے   ایمان پہ بلا ٹوٹ پڑا
پر اس کے دلارے ناتی نے   گھر بار کا جیون دان دیا
اے دھرم پجاری گائے جا   کربل کی کتھائیں سنائے جا
ماتا کی ہری پھلواری سے   من موہن اصغر روٹھ گئے
جل بوند کے مارے دھرتی سے   آکاش کے تارے ٹوٹ گئے
اے دھرم پجاری گائے جا   کربل کی کتھائیں سنائے جا
ادھیکار سمئے کی چال پہ تھا   پر دھرم ہوش کو بتاتا تھا
بھگوان کے آگے حسینا کو   کرتوے کا پالن کرنا تھا
اے دھرم پجاری گائے جا   کربل کی کتھائیں سنائے جا
جیون کے پوتر ساگر میں   انیائے کی کشتی ڈوب گئی

مَن اور سو گیہ اُجالے میں
اک پاپ کی لیلا ختم ہوئی
اے دھرم پجاری گائے جا
کربل کی کتھائیں سنائے جا
اس جگ نے برابر دھری کو
دھرتی سے مٹانا چاہا ہے
پہ ہار برابر جگ کی ہوئی
اور دھری جیتا جاگا ہے
اے دھرم پجاری گائے جا
کربل کی کتھائیں سنائے جا
انسان کہیں گے ہم اس کو
جو حق کی پوجا کرتا ہے
جو موت کے دامن میں سو کر
زندوں کے دلوں میں رہتا ہے
اے دھرم پجاری گائے جا
کربل کی کتھائیں سنائے جا
سنسار کا مورکھ نیچ یزید
من مایا جال میں الجھا تھا
اک جگت کا ایسا شراپ ملا
وہ نرک کی اگنی بیچ جلا

اے دھرم پجاری گائے جا
کربل کی کتھائیں سنائے جا

□□□

شاعر اہلبیت

(ڈاکٹر سید نذر امام۔۱۹۳۹ء)

संसार	कर्तव्य	प्रभू	जग
मुर्ख	पालन	जीवन	भाग्य
नीच	पवित्र	मनमोहन	सुन्दर
भक्त	अन्याय	जल	शक्ति
नर्क	पुण्य	अधिकार	नैनों
अग्नि	स्वर्ग	समय	धर्म पुजारी
	लीला	भविष्य	सत्य
	पूजा	भगवान	सन्देशा

نوحہ

کربلا میں پڑھا جانے والا نوحہ

الوداع مالک مشرقین الوداع
یا حسین الوداع یا حسین الوداع
آج اکبر کی میت پہ میں رو چکی
ہاتھ عباس سے ہائے میں دھو چکی
کس کو کس کو کہوں سب کو میں رو چکی
بھائی اب ظلم کی انتہا ہو چکی
الوداع مالک مشرقین الوداع
یا حسین الوداع یا حسین الوداع
بھائی کیا کہہ کے رانڈوں کو سمجھاؤں گی
میرے ماں جائے تم کو کہاں پاؤں گی
سر کھلے کیسے بازار میں جاؤں گی
قید سے روتے تم کو یہاں آؤں گی
الوداع مالک مشرقین الوداع
یا حسین الوداع یا حسین الوداع
بھائی تم ٹھوکریں رن میں کھاتے رہے
لاش میداں سے خیمے میں لاتے رہے
ہر طرح دین حق کو بچاتے رہے
ظالم جتنا بھی تم کو ستاتے رہے
الوداع مالک مشرقین الوداع
یا حسین الوداع یا حسین الوداع
اب وہ بے شیر کی بے زبانی کہاں
اکبر نوجواں کی جوانی کہاں
اب وہ عباس کی پاسبانی کہاں
العطش کی صدائیں ہیں پانی کہاں
الوداع مالک مشرقین الوداع
یا حسین الوداع یا حسین الوداع
ہائے رن سے نہ لوٹا میرا نازنیں
آئے زندہ نہ پھر اکبر مہ جبیں
تم بھی واپس نہ ہوگے ہے دل کو یقیں
اب تو بھیا کوئی آسرا بھی نہیں
الوداع مالک مشرقین الوداع
یا حسین الوداع یا حسین الوداع

آؤ تم کو گلے سے لگائے بہن آؤ بھیا کے قربان جائے بہن

کون باقی ہے کس کو بلائے بہن آؤ گھوڑے پہ تم کو بٹھائے بہن

الوداع مالک مشرقین الوداع

یا حسین الوداع یا حسین الوداع

□□□

تاریخی حقائق

عشری کے مورث اعلیٰ سید مبارک علی کے قیام عشری اور ان کے برادران سید احمد کمال و سید حسین کے ہجرت کرنے کی وجہ بھی تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کا مغل حکمراں ہمایوں جب چوسہ (بکسر) کی جنگ شیر شاہ سوری سے ہار گیا تو اپنے اہل کاروں کے ساتھ گنگا ندی پار کر کے اپنی فوج اور سپہ سالار کے ساتھ دوآبہ کے تر ہت علاقے کے جنگل میں آ گیا۔ وہاں قیام کے دوران ہی اسے یہ خبر ملی کہ عشری میں ایک عظیم المرتبت شخصیت کا قیام ہے۔ وہ سید حسن دانشمند سے ملنے کی غرض سے عشری تشریف لایا۔ ایک رات قیام کیا وہاں اسے سید حسن دانشمند نے بشارت دی کہ تم بنگال کی جانب کا سفر نہ کرو بلکہ مغرب کی طرف سفر کرو کامیابی و فتح حاصل ہوگی۔ عشری کے بعد ہمایوں دہلی ہوتا ہوا ایران چلا گیا۔ دوسری بار جب ایران سے واپس آیا تو اسے فتح نصیب ہوئی اور وہ ہندوستان کا حکمراں بنا۔ عشری میں ہمایوں کے قیام کی خبر اور بشارت دینے کی بات راز نہ رہ پائی۔ اس راز کے افشاں ہونے کے اندیشے سے سید حسن دانشمند نے اپنے بیٹوں سے روپوش ہو جانے کے لئے کہا کیونکہ انہیں خطرہ لاحق تھا کہ شیر شاہ سوری حاکم وقت ہے وہ ان کے بیٹوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے اس لئے اس روپوشی نے انہیں ہجرت پر مجبور کیا جس سے سید احمد کمال مینا پور حاجی پور اور سید حسین سلطان پور بھاگلپور تشریف لے گئے۔ سید مبارک علی عشری میں ہی مقیم رہے۔

نوحہ

کربلا میں آخر میں پڑھا جانے والا نوحہ

السلام امام تشنہ کام السلام

السلام نازش نبی السلام

السلام دیں کی زندگی السلام

السلام آیت جلی السلام

بھیجتے ہیں آپ پہ غلام السلام

السلام امام تشنہ کام السلام

السلام ہاشمی جمال السلام

السلام صاحب جلال السلام

السلام اے علی کے لال السلام

السلام بازوئے امام السلام

السلام امام تشنہ کام السلام

السلام میرے میہماں السلام

السلام میرے تشنہ جاں السلام

السلام اکبر جواں السلام

آپ پہ فدا ہوں یہ غلام السلام

السلام امام تشنہ کام السلام

السلام قاسم حسین السلام
السلام حسن کے نازنیں السلام
السلام میرے مہ جبیں السلام
مشعل وفا ہے تیرا نام السلام
السلام امام تشنہ کام السلام

السلام جعفری جوان السلام
السلام صاحبانِ شان السلام
تم ہو بنت فاطمہ کی جان السلام
السلام خواہر امام السلام
السلام امام تشنہ کام السلام

اے میرے شہید بے نظیر السلام
السلام اے نشانِ تیر السلام
اسلام تشنہ لب صغیر السلام
ہوں قبول آنسوؤں کے جام السلام
السلام امام تشنہ کام السلام

□□□

شام غریباں

یہ نوحہ ۱۹۳۹ء میں میں اپنے کلاس فیلو نواب زادہ سید سرور علی خاں عرف ننجر کے ذریعہ پٹنہ سٹی سے حاصل کر کے عشری لایا تھا اور بہادر دادا مرحوم کے یہاں شام غریباں میں پڑھا تھا۔ میرے ساتھی سید طالب حسین تھے۔ ایک ہی سال پڑھنے کے بعد یہ ایسا مقبول ہوا کہ سالوں سال پڑھا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ بہت لوگوں نے اسے بھی میرے ہی نام سے منسوب کر دیا اس لئے کہ پہلے زیادہ تر میں اپنے لکھے ہوئے نوحے پڑھا کرتا تھا۔ اس کا طرز بالکل میری اپنی تخلیق تھی جو نوحے کے اشعار و الفاظ کے بالکل مطابق تھا اس لئے نوحہ بھی مقبولیت کا باعث بنا۔ (ڈاکٹر سید نذر امام)

نوحہ

دس محرم یوم عاشورہ مغرب کے وقت مجلس شام غریباں میں پڑھا جانے والا نوحہ

ڈرونا جنگل ہے رات اندھیری، ستارے کچھ جھلملا رہے ہیں
پڑے ہیں ریتی پہ چند لاشے جو اپنا غم آپ کھا رہے ہیں

ہے ایسا بگڑا ہوا زمانہ، نہ گور ہے اور نہ شامیانہ
فلک پہ ابرِ سیاہ کے ٹکڑے، اداسی بن بن کے چھا رہے ہیں

نہ کوئی زخموں کا دھونے والا، نہ کوئی مردوں پہ رونے والا
پرند کچھ کر رہے ہیں نالے، ورنہ آنسو بہا رہے ہیں

شکستہ ہتھیار کچھ پڑے ہیں یہ لوگ شاید یہاں لڑے ہیں
لڑے تو وہ ہوں گے جو بڑے ہیں، نظر تو بچے بھی آ رہے ہیں

یہ لوگ ہیں کون خانداں کے جو کوئی پوچھے تو کس سے پوچھے
مسافر آتے ہیں جو اُدھر سے وہ راہ کترا کے جا رہے ہیں

یہ رن جو اس وقت بولتا ہے انہیں شہیدوں کی یہ صدا ہے
کہ اپنی حالت پہ زخم کھانے اِدھر وہ ان کو بلا رہے ہیں

حرم پہ کیا گزری بعد ان کے نہیں ضرورت کہ کوئی پوچھے
جلے ہوئے جو پڑے ہیں خیمے یہ ان کا لٹنا بتا رہے ہیں

□□□

نوحہ

بارہ محرم تیجہ کی مجلس کے لئے مخصوص

سر پیٹو مومنو شبہ بے سر کے پھول ہیں
زہرا کے لال سبطِ پیمبر کے پھول ہیں

پانی پہ نذر سرورِ تشنہ دہن کی دو
پیارے حسین کشتۂ خنجر کے پھول ہیں

زینب پکاری آہ اسیرِ محن ہوں میں
صدقے بہن ہو آج برادر کے پھول ہیں

مرجھا گئے ہیں غنچۂ دل مومنوں کے آج
گلزارِ مصطفیٰ کے گلِ تر کے پھول ہیں

زینب کے دونوں لعل کا ہے آج فاتحہ
ہے ہے یتیمِ مسلمِ بے پر کے پھول ہیں

بادِ خزاں سے موت کی پامال جو ہوا
اس نو نہال گلشنِ شبر کے پھول ہیں

تازہ ہُوا ہے پھر غمِ محبوبِ کبریا
عالم میں ہم شبیہ پیمبر کے پھول ہیں

ماں کہتی تھی کہ قبر پہ سہرا چڑھائے کون
ارماں بھرے میرے علی اکبر کے پھول ہیں

فرطِ الم سے بانوئے خستہ ہے بے قرار
کہتا ہے درد دل علی اصغر کے پھول ہیں

حوروں میں بھی بچھی ہے صفِ ماتمِ حسین
عشرت جناں میں آج بہتر کے پھول ہیں

□□□

صدا

مقامی عوام میں اتحاد پارینہ کی بقا کی خاطر ایک تازہ ترانہ

شبیر کا ماتم کرتے چلو   شبیر کا پرچم لے کے چلو
ہندو ہوں یا مسلم ہوں ہم   سکھ ہوں یا عیسائی ہوں ہم
کربل میں ہمارا جیا ہے   جو سب کو جگا کر سوتا ہے
یہ تعزیہ اس کا روضہ ہے   جو ہم کو تم کو پیارا ہے
ہم شانتی کے رکھوالے ہیں   اور ستیہ کے حوالے ہیں
سنگھرش ہمارا کام نہیں   دکھ دینا اپنا کام نہیں

ہم بھارت واسی ایک ہیں
اور سچے اچھے نیک ہیں

□□□

(ڈاکٹر سید نذر امام عشروی)

शांति सत्य संघर्ष वासी

مرثیہ گشت

لاش نوشاہ کی میدان سے لاتے ہیں حسینؑ
زخمی دولہا کو عجب شان سے لاتے ہیں حسینؑ
شبیر مجروح کو نیستان سے لاتے ہیں حسینؑ
چہرہ کو پونچھتے دامان سے لاتے ہیں حسینؑ
دھوم ہے خیمہ میں قاسم کی برات آپہنچی
لاش نوشاہ کے نزدیک قنات آپہنچی

در پہ ہنگامہ ہے اور سید زنو کا ہے ہجوم
گھر میں کہرام ہے اور نوحہ وزاری کی ہے دھوم
سر کھلے خاک ملے منھ پہ ہیں زینب کلثوم
روتی ہے چاک گریباں کئے بانو مغموم
کہتی تھی رو رو کے مسند کو اٹھاؤ لوگو
جلد ماتم کی صفیں لا کے بچھاؤ لوگو

ہے کدھر دولہا کی ماں جاؤ اسے جلد بلاؤ
خون میں ڈوبا ہوا سہرا اسے دولہا کا دکھاؤ
میری شہزادی کو یاں بازو پکڑ کر لے آؤ
لوگو منھ کھول دو گھونگھٹ کو بنی کے دو اٹھاؤ
لب پہ سرخی نہ رہے آنکھوں سے کاجل پونچھو
خاک ماتھے پہ ملو مانگ سے صندل پونچھو

□□□

مرثیہ گشت

مومنو خانۂ زہرا پہ تباہی ہے آج
گھر پہ سادات کے پانی کی مناہی ہے آج
تن تنہا خلفِ شیر الٰہی ہے آج
خلق سے سبطِ نبی خلد کو راہی ہے آج
قتل کی بے کس و مظلوم کے تدبیریں ہیں
ایک نبی زادہ ہے اور سیکڑوں شمشیریں ہیں

نیزے تانے ہوئے اُلٹے چلے آتے ہیں سوار
ہیں کماندار کمر باندھے ہوئے تیس ہزار
تیغ کھینچے ہوئے چوگرد کھڑے ہیں اسوار
غل ہے مہلت نہ ملے سبطِ نبی کو زنہار
برقِ شمشیر ہر اک جا پہ حک جان ہے
جس طرف دیکھتے ہیں موت نظر آتی ہے

نہ ہے غم خوار نہ ہمدم اور نہ یاور کوئی
نہ بھتیجا ہے نہ بیٹا نہ برادر کوئی
نہیں اتنا بھی خبر پوچھے جو آکر کوئی
ایک اللہ تو ہے اور نہیں سر پہ کوئی
تھے جو غمخوار وہ ریتی پہ پڑے سوتے ہیں
اپنی تنہائی پہ شاہ دوجہاں روتے ہیں

□□□

روایت

مختلف روایتوں میں قدیم عشری کی دھندلی سی تصویر ابھرتی ہے۔ قدیم عشری میں عباس منزل کو مرکزیت حاصل تھی۔ حسب دستور یہاں ہر شام بحث ومباحث کا دور چلتا تھا اور یہاں کے بزرگ اس میں حصہ لیتے تھے اور کچھ لوگ جو بڑے ادب واحترام سے وہاں بیٹھتے تھے وہ بزرگوں کی باتوں سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ سلسلہ بعد کی پشت میں بھی منتقل ہوتا چلا گیا اور اب شام کے بدلے فرصت کے اوقات میں صبح سے دوپہر تک یا کسی مہمان کی آمد پر خصوصی طور پر لوگ یکجا ہوا کرتے تھے۔ اسی ضمن میں ایک روایت سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہے جس کے اب کم لوگ ہی چشم دید گواہ ہیں۔ حسب دستور عباس منزل کے برآمدے میں تقریباً ۱۹۶۰ء کے نوجوانانِ عشری موجود تھے۔ انھیں کے درمیان میرے منجھلے پھوپھا گدا امام صاحب (مندرا پالی) بھی تشریف فرما تھے بلکہ یہ لوگ ان سے بغرض ملاقات ہی اکٹھا ہوئے تھے۔ اس منظر کی عکاسی میں تو نہیں کرسکتا مگر بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ کیا سماں ہوگا جب زیادہ تر بھائیوں کے درمیان کوئی ایک برادر نسبتی موجود ہو۔ اسی اثناء میں سڑک سے ایک ایسے قلندرانہ صفت راہ گیر کا گزر ہوا جس نے سبھی کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس زیبِ تن تھا بال لمبے لمبے زلفی نما تھے۔ منھ میں پان کی گلوریاں دبائے جس سے پان کی پیک ہونٹوں سے باہر آتی ہوئی ناک اور منھ سے دھواں کی مانند کچھ نکل رہا تھا بآواز بلند یہ کہتا جارہا تھا کہ:

(۱) ہے کوئی اس بستی میں جو میرے سوال کو پورا کرسکے؟
(۲) یہ بستی ویران ہوجائے گی۔ ویرانی اس کی قسمت ہے؟
(۳) یہ اجڑی ہوئی بستی ہے ویران بستی ہے؟

جنوب سے شمال کی جانب آواز لگاتا ہوا خراماں خراماں چلا جارہا تھا۔ سبھی لوگوں نے گدا امام

صاحب کو آگے بڑھا دیا کہ معلوم کریں سوال کیا ہے۔ پوچھنے پر اس مستان صفت قلندر نے فرمائش کی کہ ایک تھان سفید ململ کا لاؤ۔ پہلے لوگ خاموش رہے وہ مستان امام باڑے کی طرف سے بڑی مسجد کی طرف چلا گیا تبھی لوگوں نے غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ چند روپیوں میں آجائے گا بلاؤ ململ منگا لیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو اس کے تعاقب کے لئے یا بلانے کے لئے بھیجا گیا لیکن گھنٹوں کی تلاش کے بعد بھی وہ بزرگ نہ مل سکے جبکہ گاؤں سے نکلنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ تلاش کے بعد تھک ہار کر یہ سلسلہ تمام ہوا لیکن اس مست قلندر کی کہی ہوئی بات آج بھی ان حضرات کے کانوں میں گونج جاتی ہے جنھوں نے اسے دیکھا اور سنا تھا۔ عشری کی ویرانی کا عالم دیکھتے ہی وہ روایت تازہ ہو جاتی ہے نہ صرف ویرانی بلکہ اس بستی کے اجڑنے کی جو پیشین گوئی اس بزرگ نے کی تھی اس کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔ خواہ وہ غلام عباس صاحب کی موت ہو یا پھر ڈاکٹر نذر امام صاحب اور عون محمد نجم صاحب کی اموات۔ ہر بار عشری کے اجڑنے کا فقرہ دہرایا گیا۔ موت برحق ہے لیکن اپنوں کے بچھڑنے کا احساس تو ضرور ہوتا ہے اور وہ بھی جب کوئی ہردلعزیز شخصیت ہمارے درمیان سے اٹھ جائے تو یہ زخم اور گہرا ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تقسیم ہند کے اثرات عشری پر بھی مرتب ہوئے اور اس المناک سانحے نے بھی عشری کو اجاڑ کر رکھ دیا۔ وطن عزیز کی محبت، آباؤ واجداد کی وراثت، عزاداری کی قدیم روایت اور شاندار ماضی کی وجہ سے عشری کی شان آج بھی باقی ہے۔ وہ تمام لوگ جو عشری کو خیر باد کہہ کر پاکستان گئے وہاں کی صعوبتوں کو برداشت کر کے آج بلند مقام پر جلوہ افروز ہیں لیکن ان لوگوں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر جو قدم اٹھائے وہ بھی عشری کی ویرانی کے سبب میں اضافہ تھا۔ وہ تمام لوگ جنھوں نے دنیا کی رنگینی میں خود کو اس قدر گم کر لیا اپنی مصروفیات میں اس قدر اضافہ کر لیا کہ انہیں کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ بھی عشری کو دیکھیں، عشری کے بارے میں سوچیں اور عشری کے لئے بھی کچھ کریں۔

□□□

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم = پنجتن پاک

لفظ	حرف	عدد
بسم	ب	02
	س	60
	م	40
اللہ	ا	01
	ل	30
	ل	30
	ہ	05
الرحمٰن	ا	01
	ل	30
	ر	200
	ح	08
	م	40
	ن	50
الرحیم	ا	01
	ل	30
	ر	200
	ح	08
	ی	10
	م	40
		786

نام	حروف	حساب	میزان
اللہ = 66	ا+ل+ل+ہ	= 05 + 30 + 30 + 01	066
مصطفیٰ = 229	م+ص+ط+ف+ی	= 10 + 80+ 09 + 90 + 40	229
علی = 110	ع+ل+ی	= 10 + 30 + 70	110
فاطمہؑ = 135	ف+ا+ط+م+ہ	= 05 +40+ 09 + 01 + 80	135
حسنؑ = 118	ح+س+ن	= 50 + 60 + 08	118
حسینؑ = 128	ح+س+ی+ن	= 50 + 10 + 60 + 08	128
			786

عباسؑ = 135
ع+ب+ب+ا+س
135 = 60 + 01 + 02 + 02 + 70

محمدؐ = 92
م+ح+م+د
092 = 04 + 40 + 08 + 40

حکیم سید زین العابدین صاحب

سید معصوم رضا

مولانا حکیم سید زین العابدین صاحب قبلہ مولوی سید احمد علی ابن سید حمایت حسین صاحب کا سلسلہ ۵ ار پشتوں کے بعد مورث اعلیٰ سید مبارک علی صاحب سے جاملتا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی زینب (بنت سید جان محمد عشروی) تھا۔ سید زین العابدین صاحب کے والد سید احمد علی صاحب بھاگلپور میں گولا گھاٹ کی مسجد میں پیش نماز تھے۔ بعد میں محلہ اسانند پور میں قیام کیا۔ مولانا سید زین العابدین صاحب نے مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ سے مذہب وطب کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد چند عرصے کے لئے پورنیہ میں حکیمی شروع کی۔ بعد میں بھاگل پور محلہ تاتار پور میں مطب کھولا اور حکمت کی پریکٹس کرنے لگے۔ آپ فارسی کے بہترین شاعر تھے۔ آپ کے لکھے ہوئے فارسی قصائد کے چند نمونے آپ کے نواسے مولانا سید سعید اختر صاحب قبلہ کی تصنیف ''شجرہ طیبہ'' میں شامل ہیں (عصر حاضر میں فارسی قصائد کے نمونے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے) آپ کی تصنیف میں آقائے سید محمد حسن شیرازی کے ایک رسالہ فتوائیہ مرتب سید مہدی یزدی حایری نجفی کا اردو ترجمہ ''صراط النجاۃ'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ شوق مطالعہ کے سبب کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا۔ شیعہ اخبارات ورسائل کے نایاب ذخیرے بھی موجود تھے۔ مثلاً رسالہ اصلاح اور رسالہ الشمس (کھجواں)، رسالہ الواعظ (لکھنؤ) وغیرہ۔ بغرض ثواب ذاکری بھی کرتے تھے اور محفل بھی پڑھا کرتے تھے۔ انجمن اطباء صوبہ بہار کی بھاگل پور شاخ کے صدر رہے۔ خیراتی اسپتال کی شروعات کی۔ کار خیر اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہے۔ ذاتی اخراجات کے علاوہ جو رقم بچ جاتی وہ کار خیر میں صرف

کردیتے۔ عشری کی موجودہ چھوٹی شیعہ مسجد کی تعمیر اینٹ کی کرائی لیکن یہ ادھوری رہی۔ مسجد کے سامنے ایک کنواں بھی تعمیر کرایا۔ عشری حسن پورہ کے درمیان ندی پر بنے لوہے کے پل کی تعمیر میں بھی کثیر رقم کا تعاون کیا۔ کئی مسکین لڑکے لڑکیوں کی شادی کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیا۔ آپ کا انتقال ۲۳ر جنوری ۱۹۵۰ء کو بہ حالت نماز سجدے میں ہوا جب وہ عشاء کی نماز ادا کر رہے تھے۔ انہیں اسانند پور کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ مجلس چہلم عشری خرد میں ہوئی جسے مولانا سید سعید اختر صاحب نے خطاب کیا۔ حکیم صاحب کا خاندانی سلسلہ ماسٹر سید سبط حسن صاحب کے بعد سید غلام محمد اور ان کی اولادوں سے آج بھی قائم ہے۔

حکیم سید زین العابدین صاحب کی وفات پر فارسی میں قطعہ تاریخ وفات سلطان الشعراء تاج العلماء جناب حکیم حامد حسین خاں صاحب سخن لکھنوی کے چند اشعار جو دستیاب ہیں ملاحظہ فرمائیں:

منسوب بہ زین عابدیں چوں گردید
چشم عباد شد بہ حسنش ناظر

آں صاحب دین و خود فراموش کہ نیست
وقتے غافل زیاد رب قادر

از فرط صفا ہمیشہ ہست آئینہ
حال غایت بہ پیش طبع حاضر

□□□

مولوی سید محمد بشیر صاحب مرحوم

سید حسن ظفر جعفری

مولوی حکیم سید محمد بشیر مرحوم صدر الافاضل ابن عالی جناب سید غلام حسین مرحوم وطن عشری خرد، ضلع سیوان (بہار) کی ولادت ۱۸۹۱ء میں ہوئی۔ سلسلۂ نصب حضرت غریب الغرباء امام رضا علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اسی وجہ سے رضوی لکھتے رہے۔ کمسنی ہی میں والدین کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے۔ چار بھائی اور ایک بہن تھیں۔ آپ سب سے بڑے تھے۔ رنج والم میں مزید اضافہ اسوقت ہوا جب آپ کا وہ بھائی فوت ہوا جو آپ کی والدہ کے وفات کے وقت شیر خوار تھا۔ اس کے چند سال بعد جوان العمر بھائی طاہر حسین اور بہن کلثوم کا بھی انتقال ہوگیا۔

والدین کے انتقال کے بعد آپ کے چچا اور چچی نے اپنی آخر عمر تک ان کی پرورش کی جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ بعد ازاں یہ تینوں بھائی (۱) حکیم سید محمد بشیر (۲) مولانا سید حامد حسین اور (۳) حجۃ الاسلام سید اظہار الحسنین تھے۔ آپ پر بڑے ہونے کی وجہ سے بھائیوں کی ذمہ داری آئی اور یہ تینوں حضرات یتیمی کے دامن میں پریشانیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

آپ نے اردو، فارسی کی ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی پھر کھجواں (سیوان) میں پانچ سال تک ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اپنے عزیز فلسفی دوراں مولانا سید عابد حسین صاحب طاب ثراہ کی تحریک پر سلطان المدارس لکھنؤ میں داخلہ لیا اور ساتھ ہی حکیم منے آغا صاحب مرحوم سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ بعد فراغت تحصیل علم دیوریا گورکھپور میں آٹھ دس سال تک مطب کیا لیکن اہل وطن کے اصرار اور بعض ضروریات کے پیش نظر دیوریا کا قیام ترک کر کے وطن آئے اور حسن پورہ میں مطب کیا۔ اپنی بستی

عشری خرد اور حسن پورہ کے تمام مذہبی اور قومی امور میں عملی طور پر بہت دلچسپی لیتے۔ آپ عشری کی انجمن کے تاحیات خازن رہے۔ آپ کی امانت داری بے مثال تھی آپ کو جو پیسہ جس شکل میں ملتا تھا دوسری میٹنگ میں بچا ہوا وہی نوٹ یا سکہ رکھتے تھے۔

آپ بہترین شاعر اور اعلیٰ درجے کے ذاکر تھے مگر افسوس کے ان کی بیاض قصیدہ اور غزل کسی کم ظرف نے غائب کر دی جس کی اشاعت نہیں ہو سکی۔ ان لوگوں سے خدا سمجھے۔

آپ کا انتقال یکم ستمبر بروز جمعہ سن ۱۹۷۰ کو عشری ہی میں ہوا۔

اولاد: دو صاحبزادیاں۔

اساتذہ: مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ، مولانا سید الطاف حیدر صاحب قبلہ، مولانا عبد الحسین صاحب قبلہ وغیرہم۔

□□□

سیوان ضلع کی دیگر شیعہ بستیاں

حسن پورہ	بھیک پور	گوپالپور	کرنپورہ
مندراپالی	کراڑی	بال بنگرہ	ست جوڑہ
دلیت پور	چوکی	مصطفیٰ آباد	شیخ پورہ
چھتولی	حسین گنج	فاضل پور	بڑی بھسوتی
چھوٹی بھسوتی	بھوزراج پور	کھجواں	ہری ہانس

قرب وجوار میں

پچی سادات	کٹوکھر	لشکری پور	چھپرہ

مولانا سید حامد حسین عشروی

سید معصوم رضا

بچپن سے جوانی تک کے سفر میں عشری کی جن شخصیات کا ذکر بار بار سنتا رہا ان میں سب سے اہم شخصیت کا نام مولانا سید حامد حسین عشروی ہے۔ مولانا سید حامد حسین صاحب کا سلسلہ سید غلام حسین صاحب کے توسط سے ۱۸ پشتوں میں سید مبارک علی سے جا ملتا ہے۔ مولانا نے بہ سلسلہ ملازمت و مصروفیت اپنی سکونت عشری سے بہرائچ منتقل کر لی اور رفتہ رفتہ مولانا عشروی اور بہرائچ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم بن گئے جبکہ ملازمت میں جادے کا سلسلہ بھی چلتا رہا لیکن محور بہرائچ ہی رہا۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف، تحریر و تقریر اور دیگر مذہبی امور کو پابندی سے انجام دیتے رہے۔ قوم کی خدمت کے ساتھ ساتھ اولادوں کی تعلیم و تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی۔ مولانا کے حیات و کارنامے سے متعلق کتاب کے سرسری مطالعے سے میری معلومات میں جو اضافے ہوئے اس کی بنیاد پر صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ "وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا۔" وطن عزیز کی محبت ان کے دل میں ہمیشہ رہی لیکن وہ اپنے فرائض کی پابندی کو ترجیح دیتے۔ مولانا کے علمی کارنامے، سماج کی فلاح و بہبود سے متعلق کارکردگی، انجمن وظیفہ سادات و مومنین سے وابستگی، مذہبی عمارت کی تعمیر اور رکھ رکھاؤ، دیکھ ریکھ سے مولانا کی زندگی کے عملی پہلو کے تمام گوشے منور ہو جاتے ہیں۔

مولانا کے پسران و دختران میں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ، اعلیٰ منصب پر فائز، بلند اخلاق کے پیروکار اور مذہبی امور سے مالا مال ہیں۔ بہرائچ، لکھنؤ، علی گڑھ اور بیرون ملک بالخصوص نیوجرسی میں مقیم ہیں۔ مولانا اور ان کے خانوادے کے صفات حسنہ کا ذکر کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہے۔ نئی نسل کے نوجوانوں کی رہنمائی کے لئے مولانا کی زندگی مشعل راہ ہدایت سے کم نہیں۔ عشری کے شاندار ماضی کا ایک اہم باب تھے مولانا سید حامد حسین عشروی صاحب۔

□□□

مولانا سید اظہار الحسنین صاحب قبلہ

سید معصوم رضا

مولانا اظہار الحسنین صاحب قبلہ حکیم مولوی سید بشیر حسین صاحب اور مولانا سید حامد حسین عشروی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ مذہبی تعلیم حاصل کی فارغ تحصیل علم مدرسہ بھگواں میں تدریسی فرائض انجام دیئے اور رسالہ الشمس کی ادارت بھی کی۔ بھگواں کے بعد بغرض ملازمت صوبہ سندھ اور پنجاب چلے گئے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستانی شہریت مل گئی اور مع اہل وعیال وہیں درس و تدریس اور مذہبی امور کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہے۔ مدرسے قائم کئے اور کئی فلاحی ادارے کے منتظم و فاؤنڈر بھی رہے۔ تاحیات قوم و معاشرے کی فلاح و بہبود میں سرگرم رہے۔ عشری میں ان کا قدیم مکان حکیم بشیر صاحب کا ہی مکان تھا لیکن عشری سے منتقلی سے قبل ہی انھوں نے ایک مکان اپنے نام سے خرید لیا تھا جسے بعد میں انھوں نے اپنی بھتیجی معصومہ بی بی کو دے دیا تھا۔ یہ مکان آج بھی اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ یہ مکان امام باڑہ اور عباس منزل کے درمیان میں ہے۔ یہی مکان مولانا سید اظہار الحسنین صاحب کے مکان کے نام سے جانا جاتا تھا فی الوقت اس میں یحییٰ ظفر صاحب، اعجاز حسین صاحب اور مشتاق حسین صاحب رہتے ہیں۔ مولانا کے تینوں لڑکے مولانا سید تلمیذ الحسنین صاحب، سید ناظر الحسنین صاحب اور سید مرغوب الحسنین صاحب پاکستان اور امریکہ میں مقیم ہیں۔ دونوں بیٹیاں مظفر النساء اور نرجس خاتون بھی اپنے اپنے سسرال میں خوش و خرم ہیں۔ مولانا اظہار الحسنین صاحب کی خوش قسمتی یہ ہے کہ ان کے پوتے مولانا سید رضوان ارسلان رضوی ابن مولانا سید تلمیذ الحسنین رضوی (نیوجرسی) خاندانی روایت کی پیروی پر عمل پیرا ہیں۔ فی الحال تینوں خانوادے میں یہ واحد شخصیت ہے جو مذہبی تعلیم حاصل کر کے عالم دین کی حیثیت سے نیوجرسی امریکہ میں اپنے والد محترم مولانا سید تلمیذ الحسنین صاحب کی نگرانی میں مذہبی امور سے وابستہ ہیں۔

□□□

سید محمد حسن صاحب

سید معصوم رضا

ڈپٹی سید نادر حسن صاحب کے چشم و چراغ سید محمد حسن صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ حسن صاحب نے پٹنہ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ بی۔ اے کا امتحان پاس کیا اور گاندھی جی کی تحریک پر لبیک کہا۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں سرگرم رہے۔ ان کی سیاست کا محور و مرکز ڈمکا ضلع تھا جہاں انہوں نے ۱۹۳۴ء میں ہی ڈمکا موسپلٹی پر ہندوستان کا ترنگا جھنڈا لہرا دیا تھا۔ انگریزوں کی زیادتی اور ظلم کی وجہ سے روپوش ہوئے تو عشری اور دیگر شہروں میں قیام کیا لیکن سیاسی رنگ میں اس قدر رنگ گئے کہ تاحیات یہ رنگ ہی ان کی شخصیت کی پہچان بن گیا۔ سیاست میں سرگرم رہنے کے ساتھ ساتھ پاپولر بس سروس کے مالک بھی تھے۔ پٹنہ سے رانچی کے درمیان ٹرانسپورٹ کا سلسلہ چلتا رہا لیکن تمام جمع پونجی سیاست کی نذر ہوگئی۔ زندگی کے آخری لمحے تک وہ انسانی برادری اور مساوات کے پیروکار رہے۔ گاؤں میں ہر مخصوص تاریخ کو میٹنگ کرتے۔ سماج کی فلاح و بہبود کا مسودہ پاس کراتے اور اسے ڈاک سے سرکاری محکمہ کے اعلیٰ افسران تک بھیجتے۔ سڑک، نالی اور بجلی جیسے بنیادی ضرورتوں کے مسئلے کی حمایت میں آواز بلند کرتے رہے۔ ایک بار سیوان ڈسٹرکٹ بورڈ کے لئے منتخب ہوئے (غالباً یہ سارن ڈسٹرکٹ کے زمانے کی بات ہے) سیاسی شہرت انہیں بے پناہ ملی۔ تاحیات ''انسانی برادری'' نامی تنظیم کے صدر رہے (فاؤنڈر بھی تھے)۔

خاندانی سطح پر ''مہدی فیملی'' کے نام سے ایک تنظیم بنائی جس کے تحت گیارہ محرم کو خاندان کے سبھی حضرات کو اکٹھا کرتے۔ ''مہدی فیملی'' کی میٹنگ کرتے اور آپس کی نااتفاقی کو دور کرانے کی

کوشش کرتے۔ مہدی فیملی کے لئے سال ۱۹۸۸ء اور سال ۱۹۸۹ء بے حد المناک رہا۔ اس دوران سید غلام عباس صاحب، سید حسن امام صاحب اور سید محمد حسن صاحب کے انتقال پُر ملال سے مہدی فیملی کی نہ صرف بنیاد کمزور ہوگئی بلکہ عشری کا چمن بھی ویران ہوگیا۔ حسن صاحب کے پسران میں سید جعفر رضا عرف بھولا مرحوم اور سید محمد رضا عرف ڈھونڈا مرحوم صاحبان کے بیٹے سید رضوان رضا، سید ریحان رضا اور سید نادر رضا موجود ہیں۔ محمد حسن صاحب اپنی صاف گوئی کی وجہ سے سیاست میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن سچے سیاست داں کی حیثیت سے ان کی قدر دانی کرنے والے سیاسی رہنما انہیں آج بھی یاد کرتے ہیں۔

سید محمد حسن صاحب عملی زندگی میں ہمیشہ ناکام رہے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں دو غلط فیصلے کئے پہلا فیصلہ کانگریس پارٹی چھوڑ کر راجہ کامکھیا نارائن، رام گڑھ کی جن سنگھ پارٹی کی ممبری قبول کرنا جس کے بعد ان کی سیاست زوال پذیر ہوتی چلی گئی بعد میں دوبارہ کانگریس پارٹی میں شامل ہوگئے۔ کانگریس پارٹی میں واپسی کے بعد ان کا سیاسی قد بلند نہ ہو سکا ان کے زیادہ تر سیاسی شاگرد اعلیٰ عہدے پر پہنچ کر سیاسی فیض حاصل کر رہے تھے اور حسن صاحب اپنے غلط سیاسی فیصلے کا تاعمر خمیازہ بھگتتے رہے۔ ان کی ذاتی زندگی کا دوسرا غلط فیصلہ یہ تھا کہ وہ زندگی کے آخری دور میں اپنے بڑے لڑکے کی چال بازی کے شکار ہوئے اور اپنا موروثی مکان جو انہیں اپنے والد ڈپٹی سید نادر حسن صاحب سے وراثت میں ملا تھا اس کو بڑے بیٹے سید جعفر رضا عرف بھولا کے نام کر دیا اور اپنی زندگی میں ہی اپنے چھوٹے بیٹے سید محمد رضا عرف ڈھونڈا کو اپنی وراثت سے محروم کر دیا جس کا علم تمام اہل بستی کو ہے۔ موجودہ دور میں حسن صاحب کے وارثین میں سید رضوان رضا اور سید ریحان رضا اس حق تلفی کے شکار ہیں۔

□□□

سید حسن امام صاحب "وکیل"

عشری کی عظیم شخصیات کا ذکر تقسیم ہند کے بعد کا اگر کیا جائے تو ان میں حسن امام صاحب وکیل کے ذکر کے بغیر عشری کا کوئی بھی تذکرہ مکمل نہیں ہوگا۔ حسن امام صاحب کو میں نے بیس بائیس سال کی عمر تک دیکھا۔ انہیں یادوں کے سہارے ماضی کے جھروکے سے میں نے تحت الشعور پر بکھری ہوئی کچھ باتوں کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ وکیل صاحب کا قیام مع اہل وعیال مستقل طور پر چھپرہ (محمود چوک) دہیاواں میں تھا۔ چھپرہ کورٹ میں وکالت کرتے تھے۔ ان کا انداز تکلم نہایت عمدہ تھا خواہ وہ اردو بولیں یا انگریزی۔ انگلش بھی کافی حد تک انگریزی لب ولہجہ میں بولتے تھے۔ ہر بات میں برجستہ انگریزی بولنا ان کی عادت تھی۔ رہن سہن، بول چال اور پہناوے سے انگلش شائبہ جھلکتا تھا۔ اس کے برعکس چھپرہ کورٹ کا مزاج بالکل جداگانہ تھا۔ وہ اپنی علمی صلاحیت اور ذہانت کے اعتبار سے ایک اعلیٰ درجے کے وکیل تھے لیکن انہیں وہ ماحول نہ مل سکا جس کے وہ حقدار تھے۔ بہار کے کسی بھی کورٹ کا معیار ان کی علمی صلاحیت کے اعتبار سے موزوں نہ تھا پھر بھی وہ تمام عمر چھپرہ کورٹ سے منسلک رہے۔ محرم میں عشری آتے عزاداری میں شریک ہوتے۔ عشری میں بھی وہ فراٹے دار انگریزی بولتے۔ ہر کس وناکس بھی ان کی انگریزی کا قائل ہوتا۔ عشری میں ان کے گھریلو نوکر یا کھیتی کا کام دیکھنے والے ملازم بھی ان کی انگریزی سے نہیں گھبراتے بلکہ حشمت اور عیسو تو ان سے بالکل مانوس تھے۔ وہ ان کی باتوں کو اشارتاً سمجھ جاتے اور ان کے حکم کی تعمیل میں ایک پیر پر کھڑے رہتے تھے۔ ان کے یہاں کی خصوصی مجالس میں جھولے کی مجلس کا اہتمام، حاضری کی نذر اور دعوت عام وغیرہ میں ان کی موجودگی سے تقویت ملتی تھی۔ ان کے پسران سید تقی امام صاحب ریٹائرڈ ٹیچر ہیں، سید فضل امام صاحب اور سید تنظیم امام صاحبان دوا کی کمپنی کے کاروبار سے جڑے ہوئے ہیں اور سید نوشاد امام بھی گریجویٹ ہیں۔ ان کی دختران میں بڑی صاحبزادی چھپرہ کے سرکاری اسکول میں ٹیچر ہیں۔ چھوٹی لڑکی اپنی سسرال شری میں رہتی ہیں۔ وکیل صاحب کے بھی پوتے ابھی زیر تعلیم ہیں۔ (سید معصوم رضا)

□□□

غلام عباس صاحب

سید معصوم رضا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بہت مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

غلام عباس صاحب کی پیدائش ان کے ننیہال عشری میں ہوئی۔ ان کے والد سلامت علی کا وطن حسین گنج تھا لیکن غلام عباس صاحب کی پرورش وپرداخت عشری میں ہوئی اور تاحیات ان کی شخصیت عشری سے منسوب ہوگئی۔ عشری اور غلام عباس صاحب ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہوگئے جب تک زندہ رہے عشری کی نمائندگی کرتے رہے۔ ان کے ذاتی پس منظر پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کا بچپن عباس منزل عشری میں گذرا تعلیم وتربیت بھی یہیں ہوئی۔ تحصیل علم کے لئے سیوان اور غالباً کچھ عرصے تک دمکا میں مقیم رہے۔ بعد میں جو سفر عشری، سیوان سے شروع ہوا وہ پٹنہ جا کر تمام ہوا۔ غلام عباس صاحب نے پٹنہ میں عمر کا ایک طویل عرصہ گزارا۔ بہار اسمبلی میں رپورٹر کے طور پر نوکری شروع کی اور انڈر سکریٹری کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ بعد ازاں بہار اسٹیٹ شیعہ وقف بورڈ کے دوبار سکریٹری ہوئے اور عین عید الفطر (۱۹۸۹ء) کے دن صبح تقریباً آٹھ بجے معبود حقیقی سے جا ملے۔ ان کی نماز جنازہ پٹنہ میں پڑھی گئی تھی جس میں ایک جم غفیر موجود تھا جو اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ دنیا سے جانے والا ایک ہردلعزیز شخصیت کا مالک تھا۔

دوران قیام پٹنہ وہ عشری والوں سے یا اپنے عزیز واقارب سے کبھی بے خبر نہ رہے۔ قوم کی خدمت میں کوشاں رہے قوم کی اس بے لوث خدمت کے لئے انہیں کسی سند یا سرٹیفکیٹ کی ضرورت

نہیں رہی بلکہ ہر زبان ان کی خندہ پیشانی کی ممنون و مشکور رہی۔ ان کی ذات و صفات اور کارناموں کی ایک طویل فہرست ہے جس کو قلمبند کرنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ کار محال ہے۔ یہ میدہ بے میدہ رقم ہے۔ یہ میرے لئے اور میرے خانوادے کے لئے ایک عظیم اور بیش بہا وراثت ہے نہ میں اس کا تفصیل سے ذکر کر سکتا ہوں اور نہ اس کی ستائش کر سکتا ہوں بلکہ غلام عباس صاحب کی شخصیت ایک کھلی کتاب تھی جس سے سبھی واقف تھے۔ ان کی شہرت اپنوں اور غیروں میں یکساں تھی۔ ان کی وسیع القلبی کا معترف زمانہ ہے ان کی ذات سے متعلق جو صفات ان کی شخصیت سے وابستہ تھیں وہ ہیں ان کی نفاست، سلیقہ مندی، بذلہ سنجی، خوش اخلاقی، خوش گفتاری اور درد مندی وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی جو خوبیاں ایک مومن کی ہو سکتی ہیں وہ سب کچھ موجود تھیں۔ موصوف بنیادی قدروں کی پاسداری کرتے نظر آتے تھے۔ وضعداری، رواداری، شرافت، انسانیت، آپسی یگانگت اور ایثار و قربانی کی بہترین مثال تھے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے سماجی و معاشرتی مقاصد میں کبھی ان کی گھریلو زندگی آڑے نہیں آئی۔ کبھی بھی وہ گھر، بیوی بچوں کی آسودگی، دولت اور محفوظ مستقبل کے لئے پریشان یا فکر مند نہیں ہوئے بلکہ قوم کی بے لوث خدمت ان کی زندگی کا بہترین شیوہ رہا۔ یہ محض ایک اتفاق نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے ہر عہدے کو وقار بخشا۔ جس ادارے میں قدم رکھا اور اس کی رہنمائی و سربراہی کی وہ ادارہ اپنی قسمت پر نازاں ہوا اور رشک کرنے لگا۔ ان کی حد درجہ تنظیمی صلاحیتوں کا قائل تو ہونا ہی پڑتا ہے۔ انہوں نے ہر جگہ اپنی گھریلو زندگی ذاتی زندگی اور ذمہ داریوں سے سمجھوتہ تو کیا لیکن قوم و ملت کی ترقی کے ہمیشہ کوشاں رہے۔ زمانہ انہیں خواہ بھلادے لیکن ان کی بے لوث خدمت اور بے پناہ محبت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان کی تمام خوبیوں میں ایک خوبی ان کی کم سخنی بھی تھی۔ غلام عباس صاحب جہاں قوم و ملت کے ہمدرد تھے وہیں عزاداری امام حسین میں وہ مرثیہ خوانی سے اپنا ہدیۂ تحریک پیش کرتے تھے۔ عشری کے عزاخانوں میں آج بھی ان کی مرثیہ خوانی کے مخصوص انداز کا ذکر ہر سال عشرہ محرم میں کیا جاتا ہے جس سے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

□□□

ڈاکٹر سید نذیر امام

سید معصوم رضا

نام : سید نذیر امام (مرحوم) ابن جناب سید احمد حسین صاحب (مرحوم)

پیدائش : مارچ ١٩٢٣ء (اپنے ننیہال موضع ملک پور، ضلع دربھنگہ بہار میں)

شادی : ١٥/ مارچ ١٩٥١ء کو موضع پالی (جہان آباد) کے جناب سید ذوالفقار احسن صاحب کی صاحبزادی نجمہ سے ہوئی۔

اولادیں : چار لڑکے۔ انجینئر سید ضیا امام، ڈاکٹر سید تنویر امام، انجینئر سید نیر امام اور انجینئر سید مہر امام۔ تین لڑکیاں۔ طلعت فاطمہ، ڈاکٹر نور الفاطمہ اور ڈاکٹر عین الفاطمہ۔

تعلیمی لیاقت : ابتدائی تعلیم آبائی وطن 'عشری خرد' کے دینی مدارس اور سرکاری اسکولوں میں ہوئی۔ بعد میں تحصیل علم کے لئے چھپرہ چلے گئے جہاں ضلع اسکول چھپرہ سے میٹرک (Matric) کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بہار کی راجدھانی پٹنہ چلے گئے۔ سائنس کالج پٹنہ سے آئی ایس سی (I.Sc.) پاس کیا پھر ان کا داخلہ میڈیکل کالج میں ہو گیا۔ ١٩٤٨ء میں پرنس آف ویلس میڈیکل کالج پٹنہ (جو بعد میں پٹنہ میڈیکل کالج کے نام سے مشہور ہوا) سے ایم بی بی ایس (M.B.B.S.) کا امتحان پاس کیا۔ دوران ملازمت ایم ایس (ای این ٹی) M.S. (ENT) بہار یونیورسٹی مظفر پور سے اور دوبارہ ایم ایس (آئی) M.S. (Eye) پٹنہ یونیورسٹی سے کیا۔ ١٩٥٨ء میں لندن یونیورسٹی سے ڈی۔ او (D.O.) کا امتحان پاس کیا۔

ملازمت : عملی طور پر ملازمت کی شروعات ایم بی بی ایس کرنے کے فوراً بعد ہی ہو گئی تھی اور انہیں پٹنہ میڈیکل کالج، پٹنہ کے شعبۂ چشم میں ملازمت مل گئی۔ یہ سلسلہ اپنے تمام نشیب و فراز کے باوجود چلتا رہا۔ بعد میں ان کا تبادلہ مظفر پور صدر اسپتال میں سول اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے ہو گیا۔ چند سال بعد واپس پٹنہ آ گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ان کا تبادلہ سیرسا صدر اسپتال میں ہو گیا۔ آخر میں پھر پٹنہ میڈیکل کالج میں واپس آ گئے۔ یہاں سے سرکاری طور پر دو بار بیرون ملک 'بحرین' بھیجے گئے۔ آخر میں جب واپس آئے تو قلب کے مہلک مرض کے دو دورے پڑ چکے تھے۔

وفات : ۲۸/اکتوبر ۱۹۷۱ء کو قلب کے مہلک مرض نے انہیں اس زندگی سے نجات دلائی۔

انعامات و اعزازات : (۱) ہندوستان کے پہلے صدر دیش رتن ڈاکٹر راجندر پرشاد کی آنکھوں کا آپریشن کرنے والے ڈاکٹروں کی ٹیم میں شامل تھے۔ آپریشن کے بعد صدر جمہوریہ نے رولیکس (Rolex) ہاتھ گھڑی بطور انعام دی۔ قربت کی وجہ یہ تھی کہ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد اور ڈاکٹر نذر امام دونوں کا تعلق ضلع سیوان (بہار) سے تھا اور دونوں اپنی علاقائی زبان (بھوجپوری) میں ہم زبان ہوتے تھے۔

(۲) بہار اسٹیٹ شیعہ وقف بورڈ کے ۱۹۶۷ء میں چیئرمین منتخب ہوئے۔

(۳) امراض چشم سے متعلق قومی و بین الاقوامی کانفرنس اور سیمینار میں کئی بار شامل ہوئے۔

(۴) 'سفرستان' پر اردو اکیڈمی اتر پردیش نے ایوارڈ دیا۔

تخلیقات : (۱) اردو انشائیوں کا مجموعہ ''زخم و نشتر'' جون ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا جس میں ۱۹/ انشائیے شامل ہیں۔

(۲) مغربی ممالک کے سفر کی تفصیل کو بہت ہی خوبصورت انداز میں قلم بند کیا۔ جو ''سفرستان'' کے نام سے اگست ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ جس کی حیثیت سفرنامے کی ہے۔

(۳) ان کا دوسرا سفرنامہ ''کالا سونا اجلا خون'' تشنۂ تکمیل رہ گیا مگر اس کی چند قسطیں رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں۔

(۴) ''مغرب کا کیمرہ مشرق کا چہرہ'' قسط وار مضمون ''زیور'' پٹنہ میں شائع ہوتا رہا مگر یہ بھی مکمل نہ ہو سکا۔

(۵) انگریزی میں آٹو بایوگرافی ''آئی'' لکھ رہے تھے جو مکمل نہ ہو سکی۔

درج بالا تخلیقات کے علاوہ متعدد مضامین اور انشائیے ہند و پاک کے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے جس کی تفصیل ممکن نہیں ہے۔ بہار کے دسویں جماعت کے اردو نصاب میں ان کا ایک مضمون (انشائیہ) ''مقراض محبت'' شامل رہ چکا ہے۔ ان کی ایک اور تخلیق عشری سے کربلا تک بھی ہے۔

ادبی سرگرمیاں

ایک معالج ہونے کے ساتھ ساتھ وہ وقت کے نباض بھی تھے۔ اسپتال کی مصروفیت کے باوجود وہ وقت نکال کر ادبی نشستوں میں شامل ہوتے۔ رسالوں کے لئے مضامین لکھتے۔ بعض اوقات اخبار میں مسلسل کالم بھی تحریر فرماتے۔ ریڈیو مباحثے اور ڈراموں میں بھی بڑے لگن اور خلوص سے حصہ لیتے اور اپنے نظریۂ فکر سے لوگوں کو متاثر بھی کرتے۔ ان کی پہچان ان کا اپنا تخلیقی اسلوب نگارش تھا۔ خاص طور پر پٹنہ میں سلسلۂ ملازمت کی وجہ سے مقیم رہے اس لئے پٹنہ اس کے اطراف اور بہار کے تمام رسالوں میں ان کی تحریر اکثر و بیشتر نظر آتی۔ وہ اپنی تحریری چھاپ دوسرے مشہور و معروف رسائل میں بھی چھوڑ گئے۔ ''آجکل'' اردو دلی میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

رسالہ ''مریخ'' اور ''نوجوان'' کی مجلس ادارت میں شامل تھے۔ رسالہ ''صبح نو'' پٹنہ کی اشاعت میں ان کا بیش بہا تعاون تھا۔ روزنامہ ''سنگم'' و ''ساتھی'' ماہنامہ ''زیور'' اور ''پرواز'' (پٹنہ) وغیرہ میں ان کی تخلیقات اکثر و بیشتر شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ماہنامہ ''جسم و ذہن'' اردو میں ڈاکٹری اصول اور معالجی یا میڈیکل کے اعتبار سے پہلا رسالہ تھا جس کے موجد و خاتم وہ خود تھے۔ جب تک حیات اور فرصت میں رہے اس کو مرتب کر کے نکالتے رہے۔ مدیر و معاون یعنی ''جسم و ذہن'' کے روح رواں تھے۔ یوں تو اردو داں حلقے سے تھوڑی بہت واقفیت اور دلچسپی رکھنے والا ہر انسان جو بیسویں صدی کی چھٹی اور ساتویں دہائی کی ادبی سرگرمیوں سے باخبر ہے وہ ڈاکٹر نذر امام سے بے خبر نہ ہوگا۔

ان کے تعلقات بزرگ وخرد سے یکساں تھے۔ وہ ہردلعزیز انسان تھے۔ کسی سے اسپتال میں ملاقات ہوئی تو کسی سے ادبی نشست ومحفل میں مگر جس نے بھی ایک بار ان سے ملاقات کی وہ ان کا شیدائی ہوگیا۔ انکساری کا جذبہ ایسا کہ کبھی اپنی تعریف نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ خود کو علم وادب کا ایک طالب علم ہی تصور کرتے تھے جس کی وجہ سے کم وقت میں ہی ان کی تحریر میں پختگی اور اسلوب میں سادگی وسلاست پیدا ہوگئی اور حلقہ ادب میں ان کی شناخت خود ان کی تحریر اور تقریر بن گئی۔ عظیم آباد (پٹنہ) یوں بھی زمانہ قدیم سے ہی علم وادب کا گہوارہ رہا ہے۔ ہر دور میں اس نے اس عہد کے تقاضوں کو پورا کیا اور اردو ادب کو بے شمار لعل وجواہر سے نواز کر اس کے خزانے میں گراں قدر اضافہ کیا۔ ڈاکٹر نذر امام حلقہ ادب عظیم آباد کے ایک سرگرم کارکن تھے۔ وہ حلقہ ادب عظیم آباد (پٹنہ) اور اطراف کے ہر چھوٹے بڑے رسائل وجرائد واخبار کی خدمت دامے، درمے، سخنے تاحیات کرتے رہے جس کا اعتراف ہمیشہ کیا جاتا رہے گا۔ زبان وادب کی بنیاد پر ان کے تعلقات اردو کی مشہور ہستیوں سے تھے جن کی صحبت میں رہ کر ان کا ادبی ذوق پروان چڑھا۔ ان میں بالخصوص درج ذیل اسمائے گرامی کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔

علامہ جمیل مظہری، سہیل عظیم آبادی، اختر اورینوی، سالک لکھنوی، وفا ملک پوری، حسنین عظیم آبادی، بہزاد فاطمی، ہوش عظیم آبادی، رضا نقوی واہی، کلام حیدری، شین مظفر پوری، عبدالمغنی، علیم اللہ حالی، مظہر امام اور رضوان احمد وغیرہ۔

آخر میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ ڈاکٹر نذر امام ایک پہلودار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بہ یک وقت ایک ڈاکٹر، ادیب، انشائیہ نگار، صحافی اور مزاح نگار تھے۔ عشری کو ان سے ادبی پہچان ملی ان کی موت نہ صرف مہدی فیملی اور عشری کا عظیم خسارہ تھا بلکہ محکمہ صحت کو بھی بہت بڑا نقصان ہوا جس کا ایک باصلاحیت اور ذہین ڈاکٹر (آئی سرجن) قبل از وقت داعی اجل کو کوچ کر گیا۔ ان کے بعد نہ صرف کہرام برپا تھا بلکہ کئی سال تک ان کی موت سے سناٹا رہا۔ آج بھی عشری اور قرب وجوار میں ان کو یاد کرنے والے اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

□□□

18. *From Dr. S. Nazre Imam*

P.W. Medical College Hospital
Patna
1st March 1958

Respected Rashtrapatiji,

This time I am very unfortunate to be absent during your operation.

I am praying to God for its grand success and your perfect well-being.

I am to leave very shortly for United Kingdom for some more studies and experience in Ophthalmology, and therefore beg for your blessings and good wishes.

Yours faithfully
S. Nazre Imam

Dr. Rajendra Prasad
President of India
Rashtrapati Bhavan
New Delhi.

Website: google search
dr. nazre imam patna
Dr. Rajendra Prasad, correspondence and select Document-Google Books Result
Letter No. 18

یہ خط ڈاکٹر نذر امام صاحب نے ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ عزت مآب ڈاکٹر راجندر پرشاد کو لکھا تھا جو انٹرنیٹ کی درج بالا ویب سائٹ پر موجود ہے۔ قارئین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ (س م ر)

سید صفدر رضا

سید معصوم رضا

کسی بھی اولاد کے لئے یہ کسی امتحان سے کم نہیں ہوتا کہ وہ اپنے والدین کی تعریف و توصیف کے کلمات بیان کرے کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو پل صراط سے گزرنے کے مشابہ قرار دیا جاتا ہے۔ جہاں ایک طرف راقم الحروف کے جذبات و احساسات ہوتے ہیں وہیں دوسری طرف زمانے کی پارکھی نظریں ہوتی ہیں اس لئے ایسی صورت میں بغیر کسی لغزش کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جانا آسان نہیں ہوتا۔

میرے والد گرامی کو سید صفدر رضا عرف ہینگو کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا تھا۔ ۷/اور ۸/ اگست ۱۹۹۷ء کے درمیانی شب میں لیور کینسر کے عارضہ کی وجہ سے اس دار فانی سے رخصت ہو کر معبود حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم کی نماز جنازہ بعد نماز جمعہ ہوئی اور عشری خرد کے آبائی قبرستان میں انہیں دفن کیا گیا۔ ان کے آخری سفر کے وقت بھی اولادیں موجود تھیں۔ عزیز و اقارب کا کثیر مجمع تھا۔ موصوف نے اپنی زندگی کا زیادہ تر عرصہ سیوان ضلع میں ہی گزارا تھا۔ بہار سرکار کے مختلف محکمہ میں کلرک، ناظر اور ہیڈ کلرک (یعنی بڑا بابو) کے عہدے پر فائز رہے۔ سیوان بلاک اور سیوان کلکٹریٹ میں وہ ایک ایماندار اور مخلص انسان کے طور پر مشہور تھے۔ خواہ وہ افسر ہو یا چپراسی ان کی محبت، محنت، لگن اور کام کرنے کے طریقے سے ان کے مداح بھی رہے اور قائل بھی۔ سرکاری نوکری میں انہیں جو شہرت ملی وہ اس کے حقدار بھی تھے۔ سیوان کے کاغذی محلے اور شیخ محلے میں ان کا قیام کرایے کے مکانوں میں رہا لیکن ان کے مخلصانہ رویے کی وجہ سے وہاں کی معتبر شخصیات میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ سیوان میں جب تک رہے اپنے گھر میں مجلسوں کا اہتمام کرتے۔ عید بقرعید کی نماز کا اہتمام کرتے۔ آج بھی شیخ محلہ اس کا شاہد ہے۔ غالباً یہ سلسلہ ان کے سیوان میں قیام تک ہی جاری رہا۔ سیوان سے

عشری منتقل ہونے کے بعد سیوان کے دوسرے معتبر حضرات نے اس سلسلے کو جاری نہیں رکھا۔

آباء و اجداد کی وراثت سے انہیں دولت یا مال و زر نہ مل سکا لیکن تہذیبی وضعداری اور عباس منزل کی عزاداری و پاسداری کا انہیں خاص خیال رہا۔ جب تک حیات رہی عشری سے وابستگی رہی۔ خاموش طبیعت انسان تھے سب کے دکھ سکھ میں حسب استطاعت شریک ہوتے تھے۔ برادری میں ان کی اپنی شناخت تھی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بینائی جاتی رہی اس لئے ترک تعلق ہوتا گیا۔ ان کی زندگی کے کارنامے ایسے نہیں ہیں جن سے ان کو شہرت ملی ہو لیکن عزیز و اقارب اور قرب و جوار میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ انھوں نے اپنی والدۂ گرامی کی جس قدر خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آخری ایام میں انھوں نے یہ بات وصیت کے طور پر بھولا چچا مرحوم سے کہی تھی کہ میری قبر میری والدہ کی قبر کے پائتیں بنائی جائے۔ ماں کے قدموں میں جس جنت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ اس کے سچے حقدار بن گئے۔ ماں کی زندگی میں جتنی خدمت یا بے لوث خدمت انھوں نے کی اور دوسری اولادوں کے حصے میں نہیں آئی۔ بعد مرنے کے والدین کے قدموں میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دوسری مثال انھوں نے بھائی بہن کی محبت کے طور پر قائم کی۔ موصوف کی چھوٹی بہن عنایت صغریٰ مرحومہ کی شادی مندرا پالی کے گدا امام صاحب سے غالباً ۱۹۵۵ء کے قریب ہوئی تھی۔ ان کی شادی سے لے کر ان کی مجلس چہلم ۱۹۸۲ء تک جتنی قربانیاں ایک بھائی نے اپنی بہن اور ان کی اولادوں کی خاطر دی وہ ایک زندہ مثال ہے۔ لیکن ان کے سیدھے پن کا فائدہ چند حضرات نے خوب اٹھایا۔ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی کہ انہیں دھوکہ دیا جا رہا ہے، ٹھگا جا رہا ہے وہ خاموشی سے اپنی بہن کی خاطر بہت کچھ قربان کرتے رہے۔ آخر وقت میں یعنی ۱۹۹۳ء میں انھوں نے مندرا پالی کے رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیا اور دلی چلے آئے لیکن ابھی چند مہینے ہی گزرے تھے کہ ان کی پر سکون زندگی میں بھونچال آ گیا۔ گدا امام صاحب کے بڑے لڑکے سید رضا امام عرف رجّن نے اپنے ہی ماموں کے خلاف بغاوت کا بگل بجا دیا۔ عشری کے موروثی مکان (عباس منزل) کو اپنی والدہ مرحومہ کی پراپرٹی بتا کر زبانی دعویٰ پیش کر دیا۔ عزیز و اقارب کو میرے والد کے خلاف بھڑکایا جس کا اثر یہ ہوا کہ میرے عزیزوں نے زبانی اور تحریری طور پر والد گرامی کو برا بھلا کہا۔ اپنے بھانجے کی اس حرکت اور عزیزوں کے برتاوہ کا اثر یہ ہوا کہ وہ گُم صُم اور صاحب فراش ہو گئے۔ صرف ایک خواہش تھی کہ دلی سے عشری واپس چلا جاؤں تا کہ آباء و اجداد کی اس وراثت کو نیلام ہونے سے بچا سکوں جسے رجّن میاں بیچنے پر آمادہ تھے اور میرے ہی ایک عزیز اس کے خریدار بھی بن گئے تھے۔ یہ صدمہ ہی میرے والد کی موت کا

جب بن گیا۔ جب تک زندہ رہے عشری کے مکان کو خالی نہ چھوڑا اور ہمیشہ اپنی قربانیوں پر نظر ثانی کرتے رہے۔ اپنے بھانجے سے انھیں اس قدر نفرت ہوگئی کہ مرتے دم تک منورا پالی کا نام لینا بھی گوارہ نہ کیا۔ عشری میں قیام کے دوران زمین کے کاغذات نکالے، مکان پر نقلی دعویٰ کرنے والوں کے منھ پر طمانچہ مارا اور عزیز و اقارب کو کاغذات کی فوٹو کاپی بھیج کر یہ تسلی دلائی کہ انھوں نے کسی کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں کیا۔ اس کے بعد عباس منزل کے خریدار بھی روپوش ہوگئے۔

میرے لئے اپنے والد سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میرے والد کی برائی کرنے والے خود آج دنیا میں شرمسار ہیں اور تاحیات وہ اپنی حرکت کے لئے خود کو معاف نہ کرپائیں گے۔ میرے والد نے کسی کا برا نہیں کیا، نہ سوچا، شاطرانہ چال سے ان کا دور کا بھی رشتہ نہ تھا اس لئے ان کی برائی کرنے والے نہیں ملیں گے۔ ہاں ان کے سیدھے پن کا فائدہ اٹھا کر چند حضرات نے اپنی شاطرانہ چال سے انھیں بدنام کرنے کی کوششیں کی تھیں لیکن میں ان تمام حضرات کی عزت نیلام ہوتے ہوئے روزانہ دیکھتا ہوں اور خوش ہوں کہ سچے انسان پر طنز کرنے والے آج زمانے کے طنز کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور اپنے کارناموں پر پچھتا رہے ہیں۔ اللہ میرے آباء و اجداد کو جوار رحمت میں جگہ دے اور انھیں دھوکہ دینے والوں کو اس دنیا میں ذلیل و خوار کردے۔ آج بھی میرے والد گرامی سید صفدر رضا عرف پینگو کا نام گاؤں برادری میں زندہ ہے۔ عباس منزل کا وقار برقرار ہے۔ اس بات کا استفسار اس لئے ضروری ہے کہ یہ میرے والد گرامی کی زندگی کے آخری دور کے واقعات ہیں جب ہم لوگ ہوش و حواس کے ساتھ اپنے کرم فرماؤں کے تماشے دیکھ رہے تھے اور میرے والد اشکبار ہو رہے تھے۔ اس لئے میں یہ جرأت نہ کرسکا کہ اس کا استفسار ان کی زندگی میں کرسکوں۔ بہرحال ہر کام وقت پر ہی ہوتا ہے اس کے لئے جن حضرات کی دلآزاری ہوئی ہے وہ اپنی کارکردگی پر شرمسار ہوں اور اللہ سے اپنے کئے کی معافی مانگیں اور یہ دعا کریں کہ اللہ انھیں نیک توفیق اور عقل سلیم عطا کرے۔ ان کے دل سے کینہ و بغض اور حسد نکال کر مخلصانہ جذبہ عطا کرے۔ وقت گزر جاتا ہے باتیں یاد رہتی ہیں، سماج کا ہر ذی شعور فرد اپنے عہد کی تمام باتوں اور واقعات کا حقیقی گواہ ہوتا ہے۔ میں نے جو باتیں بیان کی اس کی حقیقت سے جو بھی انکار کرے گا وہ خود میرے والد گرامی کی دل آزاری میں شریک ہوگا۔ حقیقت تلخ ہوتی ہے گراں گزرتی ہے لیکن حقیقت بیانی ضروری بھی ہے۔ اس لئے میں اپنے کرم فرماؤں سے معذرت خواہ بھی ہوں۔

□□□

سید عون محمد نجم عشروی

سید معصوم رضا

فخر ملت، شاعر، ادیب، مفکر اور خطیب اہل بیت اطہار جناب سید عون محمد نجم عشروی کا انتقال ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۹۶ء کو ہوا۔ وقت انتقال وہ مطالعہ قرآن مجید کر رہے تھے تبھی روح پرواز کرگئی وقت آخر ان کے ہاتھوں میں قرآن کھلا ہوا تھا۔ نجم عشروی کی ذات ایک پرکشش، قابل قدر، سادہ لوح ذات تھی۔ نجم عشروی بیک وقت ہمہ جہات شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا مطالعہ وسیع تھا آپ کی شخصیت علم و ادب، دینی مسائل، درس و تدریس، وعظ و نصیحت، وضعداری و ملنساری خلوص، باہمی اتحاد، زہد و تقویٰ کا مجموعہ تھی۔ قرآن و حدیث، فقہ، فلسفہ، تاریخ علم العروض اور شعر و ادب کے شعبہ میں انھیں کمال حاصل تھا۔ انھیں عربی، فارسی، اردو، ہندی، انگریزی اور بھوجپوری زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ذاکری کے فن میں مہارت رکھتے تھے اس ہنر کی وجہ سے وہ اپنے سامعین کے مزاج و معیار سے بخوبی واقف تھے بلکہ وہ ہر آدمی سے اس کے معیار اور مزاج کے اعتبار سے ہی گفتگو کرتے تھے۔ مطالعہ کتب ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ قرآن اور سائنس کے حوالے سے وہ نئے نئے انکشافات اپنی ذاکری میں کرتے۔ سامعین کو دعوت غور و فکر بھی دیتے اور بالخصوص نئی نسل کے نوجوانوں کو ذاکری کے ذریعے مختلف موضوعات کی معلومات فراہم کرتے۔ وہ اپنی نصیحت آمیز تقریروں کے ذریعہ ہی ہم سب کے دلوں میں ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی زندہ جاوید شخصیت کا ہر پہلو عوام الناس کے لئے باعث صد افتخار تھا۔ ذاکری ان کی شخصیت کا سب سے اہم پہلو تھا۔ انھوں نے اپنی ذاتی دلچسپی، لگن اور کوشش سے سماج اور مذہب کے سب سے اہم منصب کے لئے خود کو تیار کیا۔ ذاکر اور منبر کے رشتے کا احترام

کیا۔ منبر سے ذکر حسین اور ذکر اسلام اس انداز میں کیا کہ نفاق بین المومنین کم ہوتا گیا۔ یوں تو انقلاب ایران سے فقہ جعفری کا ہر فرد متاثر ہوا لیکن نجم عشروی نہ صرف انقلاب ایران سے متاثر ہوئے بلکہ نئی نسلوں کی فکری بیداری کے لئے انقلاب ایران کے حوالے سے دین فہمی اور فروغ عزاداری کو قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت بھی کرتے رہے۔ تحصیل علم کے بعد بہار سرکار کے کوآپریٹو ڈپارٹمنٹ میں انسپکٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ مختلف شہروں میں بہ سلسلۂ ملازمت مقیم رہے لیکن آخری دور میں گوپال گنج کے اسلامیہ محلہ میں رہے۔ وہاں کے غیر شیعہ حضرات ان کی علمی صلاحیت اور مذہبی معلومات کے گرویدہ ہو گئے۔ مقامی لوگوں میں اس قدر محبوب ہوئے کہ وہاں کے غیر شیعہ حضرات کا کوئی بھی جلسہ یا میلاد ان کی تقریر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ذاکری کو انھوں نے بطور پیشہ کبھی نہیں اپنایا بلکہ وہ ہمیشہ ذاکری بغرض تبلیغ دین اسلام کرتے رہے۔ نجم عشروی کی ذات گرامی اور ان کی ذاکری کو لازم وملزوم قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے وارثین میں ان کے پسران سید محمد رضوان حیدر اور سید عرفان مہدی و دختران موجود ہیں۔ ان کی بڑی لڑکی نصرت فاطمہ زوجہ سید تنظیم امام عشروی کو بھی ذاکری کا شوق ہے۔ یہ وراثت انہیں نجم عشروی صاحب کے علمی خزینے سے ہی ملی۔ وہ بھی ذاکرہ ہیں اور زنانی مجالس پڑھا کرتی ہیں۔ رضوان حیدر بھی ذاکری اور مرثیہ خوانی میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

نجم عشروی کے انتقال کے بعد ہر فرد نے انہیں اپنے اپنے طور پر ہدیۂ تہنیت پیش کیا۔ اسی ضمن میں میرے برادر بزرگ سید جاوید رضا، جاوید عشروی نے دو قطعات قلم بند کئے ملاحظہ ہوں یہ قطعات:

چاہیے انساں کو دنیا سے محبت کم کرے
دیں کی افزائش کی خاطر کوشش پیہم کرے
زندگی کا لمحہ لمحہ وقف ہو اسلام کو
موت ہو ایسی کہ دنیا دیر تک ماتم کرے

زینت منبر تھا وہ اور محفلوں کی جان تھا
وقت آخر اس کے ہاتھوں میں کھلا قرآن تھا
خوش فہم تھا، خوش بیاں تھا منکسر تھا باوقار
لاکھ میں جو ایک ہوتا ہے وہی انسان تھا

□□□

عشری

سید معصوم رضا

عشری صرف ایک بستی نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے آباء واجداد کے وراثت کی تاریخ ہے۔ یہ ایک گاؤں جسے عام زبان میں اجڑی ہوئی بستی کہہ سکتے ہیں۔ آپ اگر عشری جائیں تو آپ کو دنیا کے تمام عیش وآرام کو الوداع کہنے کے باوجود بھی سکون قلب اور اطمینان نصیب ہوگا جو رونق آباد شہر میں ممکن نہیں۔ یہ بستی عمارتوں کا مجموعہ تو نہیں ہے لیکن یہاں شادابی ہے۔ قومی ہم آہنگ ہے، بھائی چارہ ہے۔ بڑے چھوٹے کا لحاظ ہے۔ اپنے اور غیر کا پاس ہے۔ وقت کا احترام نہیں لیکن ہر کام یہاں ہو جاتا ہے کوئی بھی سہولت میسر نہیں لیکن آپ کی تمام پریشانی رفع ہو جاتی ہے۔ دھوپ اور گرمی کی شدت تو ہوتی ہے لیکن وہاں کی صبح اور شام اس قدر سہانی ہوتی ہے کہ آپ اس کا قصیدہ پڑھتے نہیں تھکیں گے۔ تیز ہواؤں کے جھونکے سے آپ محظوظ بھی ہوں گے۔ رات کی ٹھنڈک سے آپ اپنے آپ کو محفوظ بھی رکھیں گے۔ اگر برسات میں گئے تو جل تھل نظر آئے گا بارش کئی کئی گھنٹوں تک ہوگی۔ کبھی کبھی کئی کئی دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا آپ خود کو جامد محسوس کریں گے اور تنگ ہو جائیں گے لیکن بارش رکے نہ رکے ہر کام یہاں چلتا رہتا ہے۔ یہاں دھول مٹی، غبار کے باوجود آپ چین کی سانس لے سکتے ہیں۔ صاف وشفاف پانی پی سکتے ہیں۔ یہ بات دیگر ہے کہ یہاں رہنے میں دشواریاں بہت ہیں۔ ڈاکٹر تک پہنچنا مشکل ہے لیکن میری سمجھ سے اگر آپ اپنی زندگی کو کسی اصول کا پابند بنالیں تو ڈاکٹر کی محتاجی بھی ختم ہو جائے گی۔ سفر کے وسائل تو ہیں لیکن سفر کرنا دشوار ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ عشری سے جس کا جذباتی لگاؤ ہے اس کے لئے وہاں رحمت ہے ورنہ۔۔۔؟؟؟۔ (س م ر)

□□□

میرے نانا

مولوی سید محمد بشیر صاحب عشروی

سید اعجاز حسین۔ بوکارو اسٹیل سٹی

صوبہ بہار ضلع سیوان کی اٹھارہ انیس سادات اثنا عشری کی بستیوں میں عشری خرد سادات کی ایک بہت ہی اہم بستی ہے۔ عشری خرد عددی اعتبار سے بھلے ہی کچھ بستیوں سے چھوٹی ہے لیکن علم و عزت اور شرافت و کردار کے معاملے میں ہمیشہ سے بہتر حیثیت کی حامل رہی ہے۔ علم دوستی اور مثبت علمی بحث ومباحثہ اس بستی کے سادات کی فطرت رہی ہے۔

اسی بستی عشری خرد میں حکیم مولانا سید محمد بشیر صاحب قبلہ کی ولادت ہوئی۔ جیسا کہ نانا مرحوم اکثر بتایا کرتے تھے کہ عالم طفلی میں ہی سر سے والدین کا سایہ اٹھ گیا۔ آپ کے چچا اور چچی نے بڑی شفقت ومحبت سے ان تینوں بھائیوں (۱) حکیم سید محمد بشیر صاحب قبلہ (۲) مولانا حامد حسین صاحب قبلہ اور (۳) مولانا سید اظہار الحسنین صاحب قبلہ کی پرورش کی۔

آپ کا سلسلۂ نسب امام حضرت محمد تقی تک پہنچتا ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ کا اسم گرامی سید مبارک علی تھا۔ آپ ایران سے تشریف لائے اور عشری خرد کو اپنا مسکن بنایا۔

مولانا حکیم بشیر صاحب مرحوم کا سلسلۂ نسب اٹھارہویں پشت میں جا کر اپنے مورث اعلیٰ سید مبارک علی شاہ مشہدی سے مل جاتا ہے اور سید مبارک علی کا سلسلۂ نسب چند پشتوں سے گزر کر حضرت امام محمد تقی سے ملتا ہے۔

حکیم صاحب مرحوم عالم طفلی سے ہی ذہین اور مضبوط حافظہ کے مالک تھے۔ آپ جو کچھ بھی پڑھتے تھے اُسے فوراً سمجھ بھی لیتے تھے اور ہمیشہ کے لئے حافظہ میں محفوظ بھی کرلیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ اپنی جماعت میں اول آیا کرتے تھے۔

صدر الافاضل کی سند حاصل کرنے کے بعد علم طب کے لئے طبیہ کالج میں داخلہ لے کر پڑھنے لگے تو لکھنؤ کے شہرۂ آفاق طبیب حکیم منے آغا صاحب کو اپنے اس مایہ ناز شاگرد کی ذہانت ونبض شناسی پر اتنا بھروسہ واعتبار ہوگیا کہ اکثر اپنی جگہ پر اپنے شاگرد حکیم صاحب کو طالب علمی کے زمانے میں ہی دوسرے شہروں میں علاج کرنے کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔

آپ کے والد ماجد کا نام سید غلام حسین تھا۔ حکیم صاحب قبلہ پانچ بھائی اور ایک بہن تھے۔ (۱) سید محمد طاہر مرحوم (۲) حکیم سید محمد بشیر صاحب قبلہ (۳) بہن کلثوم مرحومہ (۴) الحاج مولانا حامد حسین رضوی عشروی (۵) مولانا سید اظہار الحسنین صاحب قبلہ اور (۶) سید رمضان علی مرحوم۔

سب سے بڑے بھائی سید محمد طاہر کا انتقال عنفوان شباب میں ہوگیا۔ بہن کلثوم اور شیر خوار بھائی سید رمضان علی عالم طفلی میں ہی فوت کر گئے۔

مولانا حکیم سید محمد بشیر صاحب کی شادی پاس کے قصبہ حسن پورہ میں ہوئی۔ آپ کو چار لڑکیاں ہوئیں جن میں سے دو نے عالم طفلی میں ہی سفر آخرت اختیار کرلیا۔ بقیہ دو میں بڑی معصومہ خاتون اور چھوٹی صغریٰ خاتون۔

بڑی صاحب زادی معصومہ خاتون کی شادی مصطفیٰ آباد ضلع سیوان کے سید ظفر حسنین صاحب سے ہوئی۔ آپ کو پہلے دو لڑکیاں (۱) ریاض بانو اور (۲) عالیہ بیگم ہوئیں۔ ان کے بعد سات لڑکے (۱) سید علی ظفر (۲) سید حسن ظفر جعفری (۳) سید یحییٰ ظفر (۴) سید یادگار حسین مرحوم (۵) سید اعجاز حسین (۶) سید مشتاق احمد اور (۷) سید اقبال حسین۔

دوسری صاحبزادی صغریٰ خاتون کی شادی دلپت پور ضلع سیوان کے سید غلام مصطفیٰ صاحب سے ہوئی۔ ان کی تین اولادیں ہوئیں۔ (۱) سید ذکی حسن (۲) نجم النساء عرف منی اور (۳) سید مختار احمد عرف شدن مرحوم۔

مولانا حکیم بشیر صاحب قبلہ بیک وقت عالم دین ایک ماہر طبیب اور اعلیٰ پایہ کے شاعر بھی تھے۔ عالم دین کی حیثیت سے وطن عزیز عشری خرد اور قرب وجوار کی بستیوں میں دینی فرائض انجام

دیتے تھے تو دوسری جانب ایک ماہر طبیب ہونے کی حیثیت سے عشری خرد کے قریب بڑے قصبہ حسن پورہ میں اپنا دواخانہ کھول کر پریکٹس کیا کرتے تھے۔ زائد تر دوائیاں خود بناتے۔ آپ کی بنائی ہوئی دواؤں میں پھنکی جس کا نام آپ نے کھوئی رکھا تھا ہاضمہ کی بہترین دوا تھی۔ ڈاکٹر نذر امام صاحب مرحوم ماہر امراض چشم کہا کرتے تھے کنکو پتھر بھی کھا کر اگر بشیر چچا کی کھوئی (پھنکی) کھا لیا جائے تو فوراً ہضم ہو جائے گا۔

آپ کی علمیت، ذہانت اور کسی بات کو سمجھنے یا سمجھانے کی صلاحیت کے اچھے اچھے بھی قائل تھے۔
مولانا حسن عسکری صاحب قبلہ نے اخبار "سرفراز" لکھنؤ میں میر انیس کا ایک مصرع لکھا کر کیا صحیح ہے:

پانی کو کنویں میں اترا تھا سایہ کی چاہ سے

یا

سایہ کو کنویں میں اترا تھا پانی کی چاہ سے

اس پر بڑی بڑی بحثیں اہل علم وکمال نے اخبار کے ذریعہ شروع کیں۔ کوئی صاحب مصرع اول کو صحیح کہتا تو کوئی مصرع ثانی کو درست گردانتا۔

ایک روز اسی اخبار سرفراز میں "پانی کو کنویں میں اترا تھا سایہ کی چاہ سے" کو صحیح بتاتے ہوئے ایک مضمون حکیم بشیر صاحب قبلہ کا چھپا۔ اخبار نے اس مضمون یا بحث کا عنوان دیا "ایک عالم کی مدبرانہ تحقیق"۔ حکیم صاحب مرحوم نے لکھا تھا کہ (کافی بڑا مضمون تھا) سخت دھوپ کے سبب گرمی کی شدت کو محسوس کرتے ہی فطری طور پر پہلے مرحلے میں گرمی کی شدت سے بچنے کا خیال ذہن انسانی میں آتا ہے۔ کوئی بھی شخص اگر چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ہو تو اسے بھی پہلے سایہ کی تلاش ہوتی ہے نہ کہ پانی کی۔ دوسرے دیکھنے والے بھی اسے پہلے سایہ میں آنے کے لئے کہتے ہیں۔ دھوپ کی گرمی سے پریشان آدمی سے کوئی نہیں کہتا کہ بھیا پانی پی لو۔ پہلے سب یہی کہتے ہیں کہ سایہ میں آ جاؤ۔ جب وہ سایہ میں آکر ٹھنڈا جاتا ہے تب پانی کی پیاس کی جاتی ہے۔ لہٰذا مصرع اول یعنی: "پانی کو کنویں میں اترا تھا سایہ کی چاہ سے" درست ہے۔

اس مضمون کے بعد اس سلسلے میں ساری بحثوں پر قفل لگ گیا۔ آپ جس محفل میں بیٹھتے اپنی چھاپ چھوڑ کر اٹھتے تھے۔ حاضرین کچھ نہ کچھ اس محفل میں آپ سے حاصل کر ہی لیا کرتے تھے۔ مسئلہ علمی ہو یا ادبی آپ اسے فوراً حل کر دیا کرتے تھے اور پوچھنے والے کو پوری تشفی ہو جایا کرتی تھی۔

آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ غزل گوئی کے علاوہ مدح محمدؐ و آل محمدؐ میں بہت سے قصائد و قطعات و رباعیات اردو اور فارسی زبانوں میں آپ نے لکھے تھے۔ خدا جانے آپ کی وہ ساری تخلیقات کہاں گم ہو گئیں جسے پڑھنے اور چھپوانے کی خواہشیں فوت ہو کر رہ گئیں۔

عکس یا خاکہ

لمبا قد، گورا رنگ، تیز رفتار، نرم گفتار، سادگی پسند، چہرے پر شرافت و متانت، گھر کے باہر شیروانی پائجامہ اور ٹوپی، چلتے وقت ہاتھ میں چھڑی، خوش مزاج، اصلاح پسند خطیب، خوش فکر شاعر، عبادت گزار، رشک و حسد و تعصب سے دور، انتہائی ذہین، بلا کے حاضر جواب۔ یہ تھے مولانا حکیم سید محمد بشیر صاحب قبلہ۔

عشری، حسن پورہ اور دیگر قرب و جوار میں طبی اور دینی خدمات انجام دیتے تھے۔ کبھی کسی سے بھی کسی دینی خدمت کی اجرت نہیں لی۔ خواہ کسی کا عقد پڑھایا ہو یا مجلسیں پڑھی ہوں یا مکتب (بسم اللہ) کرائی ہو۔ پورا علاقہ آپ کی کافی عزت و احترام کرتا تھا۔

آپ کی رحلت ایک ستمبر ۱۹۷۰ء بروز جمعہ ہوئی۔ جسے بھی آپ کے رحلت کی خبر ملی اس نے جنازے میں شرکت کی۔ مجھے اہل بستی نے بتایا تھا کہ وہ لوگ بھی آپ کی جدائی پر کافی رو رہے تھے جو رونے کو بدعت کہتے تھے۔

آپ کی رحلت پر میرے چچازاد برادر محترم حکیم سید عباس حسین صاحب نیرؔ مصطفیٰ آبادی نے قطعہ لکھا اور چالیسویں کی مجلس میں پڑھ کر از حد داد تحسین حاصل کی:

نبض بیمار جو تھی چھوٹ گئی ہم طبیبوں کی کمر ٹوٹ گئی
ایک تیرے چلے جانے سے بشیرؔ آج تقدیر وطن پھوٹ گئی

آخر میں مَیں بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ اے میرے اور سب کے معبود عزیزم سید معصوم رضا سلمہ عرف "اچھے" کے حال و مستقبل کو تابناک بنا کہ جن کی مسلسل تاکید و یاددہانی کے سبب مولانا حکیم سید محمد بشیر صاحب قبلہ کے متعلق میں کچھ سطور لکھ سکا ہوں۔

□□□

سید علی عباس صاحب

(ڈسٹرکٹ سب رجسٹرار)

یادِ رفتہ

سید اظہر رضا، مظفر پور

اس تیز رفتار زندگی میں کچھ ایسے واقعات ولمحات آتے اور گزر جاتے ہیں جو تاحیات بھلائے نہیں بھولے جاتے۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ خاموش بیٹھ جائیے، آنکھوں کو بند کر کے ذہن کو آزاد چھوڑ دیجئے پھر کیا ہے آہستہ آہستہ یادِ ماضی کی تمام تصویریں ذہن کے پردے پر یکے بعد دیگر ابھرنے لگیں گی جن کو بظاہر آپ فراموش کر چکے ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ میں بھی بیان کرنے جا رہا ہوں اس یقین کے ساتھ کہ آپ بھی اسے فراموش نہیں کر پائیں گے۔

یہ واقعہ سن ۱۹۵۵ء کے شروع کا ہے جب میں آمدر بلاک میں کلرک کی نوکری کر رہا تھا۔ کسی ضروری کام کے سلسلے میں چھپرہ جا رہا تھا۔ سیوان اسٹیشن پہنچا تو پلیٹ فارم پر جمِ غفیر نظر آیا۔ کہیں بیٹھنے کی جگہ تلاش کرتے ہوئے ٹہلنے لگا مگر کوئی مناسب جگہ نہیں ملی۔ تقریباً ۲۰ منٹ گزرے تھے کہ سگنل ہو گیا اور میں پوری طرح متوجہ ہو گیا کہ کیسے ٹرین میں داخل ہونے میں سبقت کی جائے۔ مختصر یہ کہ ٹرین آ گئی اور بہت تیزی سے میں سامنے والے ڈبے میں داخل ہو گیا۔ اترنے اور چڑھنے والوں کی دھینگا مشتی سے بے پرواہ میں آگے کی طرف بڑھتے ہوئے بیٹھنے کی جگہ تلاش کر رہا تھا کہ ایک آواز آئی ''آیئے ادھر آیئے'' اور میں حیرت میں ڈوب گیا کیونکہ بلانے والے صاحب کسی جہت سے شناسا نہیں لگ رہے تھے۔ بہر حال انہوں نے کھڑکی کے پاس کی سیٹ سے اپنا رومال ہٹایا اور مجھے بیٹھنے کا

اشارہ کیا۔ میں شکریہ ادا کرتے ہوئے بیٹھ بھی گیا۔ دم لے چکا تو اس مہربان سے گفتگو شروع ہوئی جنھوں نے مجھے دھکے کھانے کی زحمتوں سے بچایا تھا۔ تعارف میں معلوم ہوا کہ وہ احمد کریم صاحب ہیں، پٹنہ سیٹی کے رہنے والے ہیں لکھنؤ (سسرال) سے فیملی لے کر آ رہے ہیں اور وطن جا رہے ہیں۔ دو بچے اور ان کی اہلیہ سامنے تھیں۔ بہت جلد ہم لوگ گھل مل گئے لکھنؤ سے تعلق کے سبب زبان اور لہجے پر خاصہ اثر تھا۔ میں بھی پوری طرح محتاط ہو گیا تھا دوران گفتگو جب انھوں نے میرا وطن پوچھا تو میں نے بتایا کہ غریب خانہ ''عشری حسن پورہ'' ہے پھر وہ بولے ''عشری'' یا حسن پورہ میں فوراً سمجھ گیا کہ ضرور حضرت کو اطراف کی بستیوں کا علم ہے۔ میں نے جواب دیا ''عشری'' وہ سنتے ہی بولے ''خیر'' میں نے پھر حیرت سے پوچھا اس ''خیر'' سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ بولے آپ نے جب عشری حسن پورہ کہا تو مجھے اندازہ ہوا کہ یقیناً آپ عشری کے ہوں گے اسی لئے بے ساختہ میری زبان سے ''خیر'' نکل گیا۔ مجھے مزید کرید ہوئی معلوم کیا کہ آپ کو یہ اندازہ کس بنیاد پر ہوا تو بولے ہر لفظ کا ایک صوتی (Phonetic) اثر ہوتا ہے۔ عشری کہنے سے ذہن میں جو تصویر ابھرتی ہے وہ آپ سے بہت مشابہ ہے۔ نیک مزاج، خوش اخلاق، نہایت شریف، گلے تک شیروانی کا بٹن بند کرنے والے لوگوں میں سے ایک جن کو ''آسانی سے ٹھگا'' جا سکے مگر وہ کسی کو ٹھگ لیں یہ ناممکن۔ میں حیرت میں ڈوبا ہوا خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا اور سوچنے لگا کہ اللہ ایسے بھی نباض لوگ ہوا کرتے ہیں جو اتنا اہم اور صحیح تجزیہ منٹوں میں کر لیں۔ میں نے کسی رد عمل کا اظہار تو نہیں کیا مگر اپنی بستی عشری کے متعلق ان کا خیال جان کر بہت خوشی ہوئی۔ بے شک میری بستی کی شان بھی رہی ہے اس کے دو طرف ندی ہے اور ادھر سے ہی بستی میں داخل ہونے کا راستہ بھی ہے۔ یعنی آپ داخلے سے قبل ہاتھ منہ دھو لیں اور باادب داخل بستی ہوں جو تقریباً ایک ٹاپو کے مانند بھی ہے۔

خیر یہ تو رہی کھیل کی بات مگر اتنا ضرور ہے کہ ہمارے بزرگوں نے بستی کے ماحول کو اتنا پاک و صاف اور خوشگوار بنا کر رکھا کہ یہاں کے واقعات سن کر آپ حیرت میں ڈوب جائیں گے۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ ''عرب میں بھی گدھے پائے جاتے ہیں'' اسی طرح عشری میں بھی ایسا نہیں ہے کہ سارے لوگ ویسے ہی تھے جیسا کہ کریم صاحب نے بیان کیا تھا ہاں اکثریت ویسے ہی لوگوں کی تھی اور ان میں میرے والد بزرگوار سید علی عباس صاحب (مرحوم) سرفہرست تھے۔ کریم صاحب کی بیان کردہ تصویر کا ہو بہو عکس۔ سارے لوگ ان کو ''اللہ میاں کی گائے'' کہا کرتے تھے۔ اب میں ان کی زندگی کے دو

پہلو مقرر کرتا ہوں۔ پہلا وہ جو میں نے ان سے اور دیگر معتبر ذرائع سے سنا دوسرا وہ جو ہوش گوش میں آنے کے بعد میں نے ان کو دیکھا۔

میرے دادا سید مرتضیٰ حسن مرحوم گاندھی جی کے اصولوں کو مانتے تھے لہٰذا انگریزی تعلیم، تہذیب اور لباس کے سخت خلاف تھے۔ انگریزی تعلیم سے رغبت تھی مگر مجبوراً والد مرحوم کو عربی فارسی کی تعلیم حاصل کرنی پڑی اور موصوف مولوی کا درجہ اعزاز کے ساتھ پاس تو کر گئے لیکن انگریزی تعلیم کی طرف سے اپنی رغبت کم نہیں کر سکے۔ مختصر یہ کہ ایک روز حسن پورہ مڈل اسکول کے ٹیچر (نام یاد نہیں آرہا ہے شاید وہ جان کے والد بزرگوار تھے) دادا مرحوم کے پاس آئے اور انہوں نے بہت طرح سے سمجھایا کہ انگریزی تعلیم سے لوگ انگریز نہیں ہو جایا کرتے نہ تبدیلیٔ مذہب کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہزاروں مثالیں آپ کے سامنے ہیں خود آپ کے کئی بھائی انگریزی تعلیم حاصل کر رہے ہیں ماسٹر صاحب نے زور دیا کہ لڑکے کی چاہت پر روک لگانا اس کی زندگی سے کھلواڑ کرنے کے مترادف ہے۔ مختصر یہ کہ دادا بہت حد تک قائل ہوئے اور ابا سب کے سامنے بلائے گئے۔ ان کو قسم کھانی پڑی کہ اپنے دین پر باقی رہیں گے، انگریزی تہذیب نہیں اپنائیں گے، انگریزی لباس نہیں پہنیں گے وغیرہ۔ بعدہ والد مرحوم کو تبدیلیٔ تعلیم کی اجازت ملی۔ ایفائے قسم و قرار کا لحاظ کرتے ہوئے انہوں نے کبھی انگریزی لباس نہیں پہنا بلکہ ہمیشہ قمیص یا کرتا پاجامہ، کالی گول ٹوپی اور شیروانی زیب تن کرتے رہے۔ رنگ گورا اور لمبا قد تقریباً چھ فٹ۔ وضع و قطع کے لحاظ سے اس لباس میں بہت وجیہہ نظر آتے تھے۔ جب ٹہلنے نکلتے تھے تو ہاتھ میں چھڑی ہوا کرتی تھی۔ قد کے لحاظ سے ان کا پیر بھی خاصا بڑا تھا۔ ۱۰ ار نمبر کا جوتا پہنتے تھے جو عام طور پر دکانوں میں نہیں ملتا تھا لہٰذا آرڈر دے کر بنتا تھا۔ کپڑے زیادہ قیمتی نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ بہت معمولی، ہاں کھانے کے شوقین ضرور تھے اور جو خود کھاتے تھے وہی سبھوں کو کھلاتے تھے۔ مہمانوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ کبھی کبھی تنہائی میں گنگناتے بھی تھے۔ بہت اچھی آواز تھی۔ مجھے نے اور دھن سمجھاتے وقت کہتے تھے پہلے نوحے کو خاموشی سے سیدھے پڑھو اور سمجھو۔ کئی بار پڑھو گے اور خوب اچھی طرح اس کا مفہوم سمجھو گے تو دھن آپ سے آپ ذہن میں آئے گی۔ اسی کو پکڑو پھر آواز سے پڑھو۔ (کیا کہنا، کتنی اچھی فنی صلاحیت تھی ان کے اندر) لیکن افسوس کہ کبھی منبر سے ان کو پڑھتے نہیں سنا۔ ممکن ہے بچپن میں پڑھا کرتے ہوں اور ضرور ایسا ہوتا ہوگا کیونکہ ان کی صلاحیت سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔

امرتی (مٹھائی) ان کی کمزوری تھی اکثر صبح کے ناشتے میں آتی تھی۔ کھیل میں امرتی سے انہوں نے چوٹا بھی شروع کر دیا۔ اس طرح چِٹے جتانے کا انہوں نے ایک بہانہ تلاش کیا۔ ہم ان سے پوچھتے تھے ابا آپ کیا کھا رہے ہیں۔ "کہتے تھے جلیبی" ہم چڑھاتے ہوئے کہتے تھے "نہیں یہ جلیبی نہیں امرتی ہے" توبہ توبہ اس گندی چیز کا نام نہ لو۔ بہت تیز ہی ہوتی ہے چھی چھی۔ اور جب کھا لیتے تھے تو تھوڑی سی چھوڑ دیا کرتے تھے اور کہتے تھے وہ جو تم نام لے رہے تھے گندی چیز کا وہ بھی ہے دیکھو ہم نے چھوڑ دی۔ تم بھی مت کھاؤ تھے۔ (ہائے وہ لمحات) ہاں نوکری میں آنے کے بعد عہد جوانی میں سنا ہے کہ ٹینس کھیلتے وقت ہاف پینٹ پہنتے تھے اور بس۔ ویسے تو کسی امتحان میں موصوف سکنڈ نہیں ہوئے مگر ایک نقصان یہ ہوا کہ تبدیلیٔ تعلیم میں تاخیر کے سبب بی۔ اے تک پہنچتے پہنچتے خاصی عمر نکل گئی یہاں تک کہ سرکاری ملازمت کے لئے ان کا آخری سال آ گیا۔ درخواست دینے اور مقابلہ برائے تقرری میں بیٹھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ کئی جگہ ان کی تقرری ہوئی مگر خود اپنی پسند اور لوگوں کے مشورے کے ساتھ استخارہ کے تحت سب رجسٹرار کے عہدے پر انہوں نے جوائن کر لیا اور ملازمت کی زندگی شروع ہوئی۔ ان کی اچھی عادتوں میں ایک مہمان نوازی بھی تھی اور ان کا دسترخوان کبھی مہمان سے خالی نہیں رہا جگہ جگہ پوسٹنگ ہونے کے عرصے میں ہر جگہ نیک نامی اور شہرت دوام حاصل ہوئی۔ کشتی کا انعامی مقابلہ کرانا، ڈرامہ پارٹی کو دعوت دے کر لوگوں کی دلچسپی کا سامان کرنا، ٹینس کھیلنا اور میچ کرانا، کبھی کجری، کبھی قوالی کا انعامی مقابلہ کرانا۔ تین فٹ بال میچ میں جو دو میچ جیت گیا، انعام کا حقدار ہوا۔ کھانے پینے کے ساتھ ڈھول باجے کے ساتھ انعام کی تقسیم مجالس میں پابندی سے شرکت کرنا اور محفلوں میں اچھے شعراء کو بلانا نوحے اور قصائد کی طرف مجھے رغبت دلانا اور دھن کی مشق کرا کر مجھ سے پڑھوانا۔ پوری زندگی انہیں مشغلوں میں گزری۔ ہر وقت خوشگوار ماحول رکھنا بہت خاموش رہنا۔ ابا کے ساتھ ہمیشہ کوئی نہ کوئی ضرور رہتا لیکن چند تبدیلیوں کے بعد شیخ محمد وگھر کے فرد کی حیثیت سے ہر جگہ نوکری میں تا حیات ساتھ ساتھ رہے۔ بے مثال رحم دلی کا صرف ایک واقعہ سنئے۔ محرم میں پابندی سے ہم سب لوگ وطن آجایا کرتے تھے۔ ان دنوں ٹم ٹم یا بیل گاڑی کی سواری بہت خاص تھی۔ حسن پورہ کے حدود میں داخل ہوتے ہی "بابو سلام، مالک سلام" کی لگاتار آواز سنائی دینے لگتی تھی۔ گویا خیر و عافیت سننے سنانے کا سلسلہ عشری پہنچنے تک رہتا تھا۔ ایک سال حسب معمول ہم لوگ گھر پر تھے کہ صبح سویرے حسن پورہ بازار کے جتنا ساہ ایک سیر جلیبی اور ایک ڈھولی پان لے کر آئے۔ ابا کو

سلام کیا اور ہاتھ باندھے کھڑے رہے۔ ابا بولے کیا جمنا کیا حال چال ہے۔ کل دیکھا کہ اپنی دوکان آگے تک بڑھالائے ہو۔ ہم سے بھی کچھ بولے نہیں؟ جواب میں وہ جو کچھ بولا بھوج پوری زبان میں تھا۔ ترجمہ اس کا کچھ یوں ہوا، "مالک ہم کیا بتائیں۔ پچھلے مہینہ (بقرعید) کی بات ہے۔ گھر کا بٹوارہ اور بیٹی کی شادی کو لے کر ہم ایسا مجبور ہوئے کہ بغیر آپ کی اجازت لئے ہم ایسا کر بیٹھے۔ دل میں آیا تھا کہ مالک کو سلام کرنے چلیں مگر سوچا ۲۰ دن بعد محرم شروع ہے اور آپ آیئے گا ہی۔ اسی لئے ہم رک گئے۔ مالک بڑی امید لے کر آئے ہیں۔ دوسرا کوئی سادھن ہمارے پاس نہیں ہے۔ بہت مجبور ہوکر ہاتھ جوڑتے ہیں کہ اتنی سی زمین ہم کو دے دیجئے۔ بچہ سب دعا دے گا۔ 'نا' کہئے گا تو کل ہی ہم ہٹالیں گے۔ اب جیسا آپ کا حکم ہو۔" ابا نے مزید کچھ پوچھ تاچھ کی اور بولے "کل آؤ گے۔"

دوسرے دن زمین کا پٹہ اس کے نام بن گیا اس رعایت کے ساتھ کہ جیسے جیسے ہوگا صاحب حسین کے معرفت پیسہ دے دوگے۔ اور وہ خوشی کے آنسوؤں کے ساتھ دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ یہ صاحب حسین چچا ابا کے تمام معاملات دیکھا کرتے تھے۔ بچے ان کو "بازار دادا" ہی کہتے تھے کیونکہ گھر کا سودا سلف لانا انہیں کی ذمہ داری تھی۔ ہمیں لوگوں کے یہاں رات میں سوتے تھے اور "الف لیلیٰ" اور "حاتم طائی" کی کہانیاں خوب سناتے تھے۔ ان کا دو واقعہ سنئے اور اندازہ کیجئے کہ کتنے سادہ لوح تھے۔

میرے دو پھپھیرے بڑے بھائی تھے۔ چھلے بھیا (حسن عباس) بڑے بھیا (غلام عباس)۔ بچپن ہی میں پھوپھا کا انتقال ہو گیا اس لئے ان کی پرورش پرداخت والد مرحوم کے ذمہ آ گئی۔ بڑے بھیا ہر لحاظ سے بہت سلیقہ پسند اور رکھ رکھاؤ والے تھے۔ اپنے شوق کے تحت گراموفون لائے جو کافی بڑا تھا۔ بالکل چوکور اس کا ایک سائز کم سے کم ۲۰-۲۵ انچ ضرور تھا۔ جب گانا بجتا تھا تو بہت سے لوگ جمع ہوجاتے تھے۔ اس کا ایک گانا ابھی تک میرے حافظے میں اُسی طرح سے ہے چونکہ اپنی نوعیت کا یہ اکیلا تھا۔ Calcutta 1949 October یہ اس کا پہلا مصرعہ تھا اور پھر تاریخی واقعات جنگی انداز میں تھے۔ سننے والوں میں صاحب حسین چچا بھی ہوا کرتے تھے۔ گانے کی محفل برخاست ہونے کے بعد کچھ لوگ اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے رخصت ہوتے تھے۔ ان دنوں بھکاری کی ناچ بہت مشہور تھی۔ خاص کر راجپوتوں میں بغیر اس ناچ کے شادی کا تصور ہی نہیں تھا۔ ناچ میں لونڈے ہوا کرتے تھے جو گاتے اور ناچتے تھے۔ شاید کبھی صاحب حسین چچا نے دیکھا ہوگا اس لئے کہ ان کا کمنٹ بڑا عجیب تھا۔ بولے "حیرت ہے۔ ہم نے بہت غور سے دیکھا لیکن پکڑ نہیں پائے کہ آخر وہ لونڈا کدھر سے

گھسا اور کہاں کو نکل گیا۔" ان کا دوسرا واقعہ سنئے۔ عشری جب پاکستان زدہ ہو چکی یعنی اچھے خاصے لوگ پاکستان منتقل ہو گئے، چلے تو گئے سب لیکن اپنی یادیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکے۔ چنانچہ جب ٹرانزسٹر (Radio) عشری آیا تو بی بی سی اور دیگر نیوز چینل کے ساتھ پاکستان کی نیوز سننے کے لئے خاص طور سے دروازے پر لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔ یہ ایوب خان کے مارشل لا کا زمانہ تھا۔ خبریں سن کر ایک روز صاحب حسین چچا بولے "سب کچھ سمجھ میں آیا، چھاپہ پڑا اور ناجائز ذخیرہ پکڑا گیا یہ سمجھا، لوگوں کی ملک کے ساتھ غداری سامنے آئی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ماشااللہ صاحب کون ہیں اور یہ کیسا نام ہے؟" اس طرح کے لوگوں کی تعداد بستی میں اور بھی تھی۔ آیئے ایک صاحب سے اور آپ کو ملائیں۔ نام تو تھا "نجف" مگر یہ نجف بھائی پکارے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ سارے بزرگ بھی ان کو نجف بھائی ہی کہتے تھے۔ ٹوٹی پھوٹی اردو آتی تھی اور اس پر غضب یہ کہ مرثیہ پڑھتے رہنے کا شوق تھا۔ زبان میں ہلکی لکنت تھی۔ ش، س، ث، ف، ض وغیرہ بڑی مشکل سے اوپر کے دانت اور نچلے ہونٹ کے سہارے پڑھا کرتے تھے۔ اب کیسے پڑھتے ہوں گے یہ آپ اس واقعے کو سننے کے بعد خود فیصلہ کیجئے۔ نوجوان طبقہ یعنی نذرو بھیا، چھلے بھیا، حسنی بھائی، سبطے بھائی، اختر عباس بھائی، محمد چچا وغیرہ بیٹھے ہوئے خوش گپی کر رہے تھے کہ نجف بھائی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کا مشغلہ جاری تھا۔ بلائے گئے اخاہ، آیئے آیئے نجف بھائی... انیس مرحوم کا ایک نایاب مرثیہ منظر عام پر آیا ہے۔ ملا ہے آپ کو؟ اور اسی طرح کے کئی سوال مختلف لوگوں نے کئے اور مرثیہ مہیا کرانے کا وعدہ بھی ہوا۔ وہ خوش ہو گئے تو کسی نے پوچھا۔ "اچھا نجف بھائی، ایک ہجے کہئے تو جانیں۔ باقر چچا کا لوٹا——" اور نجف بھائی نے کوشش شروع کردی۔ (یہ باقر بھائی میرے بہنوئی کے والد صاحب تھے، ہاشم کے ابا) ان کی کوشش جاری تھی اور زبان لٹ پٹا رہی تھی کہ درمیان میں لوک لی گئی اور فائنل ہجے بتائی گئی" بے قاف زبر بق، دال رے زبر بد "بس ہو گیا" باقر چچا کا بدھنا"—— اب آپ بتایئے یہ زبانی ہجے سن کر آپ اپنی ہنسی روک پائے؟

اسی طرح ہنسنے ہنسانے کا ماحول رہا۔ اب سوچئے کہ مجمع کس طرح لوٹ پوٹ ہوا ہوگا۔ ان حالات میں کیا کبھی جھگڑا لڑائی یا کیس مقدمہ یا آپسی اختلاف کی بات سوچی جاسکتی تھی۔ کیا کیا سنائیں۔ کئی واقعے اور یاد آرہے ہیں مگر اختصار کا خیال کرتے ہوئے انہیں چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ وہ سب کچھ "تھا" میں تبدیل ہو گیا—— افسوس صد افسوس۔

□□□

عشری کل آج اور اَب

سید تصیر حسن رضوی

سادات کی ایک چھوٹی سی بستی عشری خرد ضلع سیوان (بہار) کے جنوب میں واقع ہے جس کے تین سمت دابا ندی رواں دواں ہے اور ایک سمت دیگر بستیاں آباد ہیں۔ ندی کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے یہاں کی کھیتیاں زرخیز ہیں اور کھلی ہوئی فضا ہے۔ یہ بہت پرانی بستی ہے ہمارے مورثِ اعلیٰ سید مبارک علی مشہدی بہت زمانہ پہلے مشہد مقدس ایران سے یہاں تشریف لائے تھے۔ ان ہی کی ذریت میں میرے پردادا میر سید فتح علی اور دادا جناب سید مہدی حسن مرحوم تھے۔ مہدی دادا کے چھ بیٹے تھے سید مصطفیٰ حسن، سید مرتضیٰ حسن، سید حیدر حسن، سید صفدر حسن، سید نادر حسن اور میرے والد سید قادر حسن۔ اب ان بزرگوں سے ایک وسیع خاندان اور بڑا کنبہ بن چکا ہے جو بستی میں مہدی فیملی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ بستی میں سید چمن اور سید لعل ان دو بزرگوں کی متبرک پرانی قبریں ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور بہت پرانی قبر ہے اور یہ کس بزرگ سے منسوب ہے مجھے معلوم نہیں۔ بستی میں ایک سرکاری ضریح، ضریح امام حسینؑ ہے جو بہت ہی خوبصورت ہے اور بہت بڑی ضریح ہے جس کے متعلق اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ سالہا سال پہلے کسی بڑھئی نے خواب میں اس ضریح کو دیکھا اور اس کا نقش اس کے دل و دماغ پر ایسا ثبت ہوگیا کہ وہ اُسے بنانے کی آرزو لئے ہمارے بزرگوں کے پاس آیا۔ پہلے اپنا خواب بیان کیا پھر اس ضریح کو بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ سن کر بزرگوں نے اس بڑھئی کو صرف اجازت ہی نہیں دی بلکہ دامے، درمے اور سخنے ہر طرح سے اس کی مدد کی اور اس طرح یہ ضریح مبارک وجود میں آئی۔ یہ لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ یہ بڑی ضریح تین توڑ میں تھی۔ نچلا حصہ، بیچ کا حصہ

اور اُوپر کا حصہ مع گنبد۔ جیسا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے اس کے بیچ کا حصہ تو ضائع ہو چکا ہے مگر موجودہ نچلا حصہ اور اُوپر کا حصہ مع گنبد باقی ہے۔ ان دونوں حصوں کے ملانے سے آج بھی یہ ایک اچھی خاصی مکمل ضریح ہے۔ یہ خوبصورتی اور نقش ونگار کے لحاظ سے اپنی ایک واحد مثال ہے۔ اس میں بہت ہی خوبصورت، عمدہ اور دلکش جال بنے ہوئے ہیں۔ یہ ایک نایاب چیز ہے جو ہمیں ہمارے بزرگوں سے ملی ہے۔ یہ اتنی بڑی ضریح جو لکڑی سے بنی ہوئی ہے اتنی ہلکی ہے کہ چند افراد اُسے ہر سال عاشور محرم کو اپنے کاندھوں کے سہارے دور کربلا تک لے جایا کرتے تھے۔ اس وقت ایسا لگتا تھا کہ ایک کربلا سے دوسری کربلا کا میلان ہو رہا ہے۔ ہر سال نویں محرم کو یہ ضریح مبارک امام چوک پر عین بیچ میں رکھی جاتی تھی اور اس پر ایک کالا شامیانہ ہوتا۔ چونکہ یہ مکمل ضریح المونیم پینٹ کی ہوئی ہے اس لئے یہ ایسی چمکتی ہوئی اُجلی ہے کہ لگتا ہے کہ جیسے یہ چاندی کی بنی ہوئی ہو۔ اس ضریح مبارک کے چاروں طرف امام چوک پر چھوٹے بڑے بہت سے تعزیے رکھے جاتے تھے اور چوک کو حلقے میں لئے ہوئے کئی ایک اونچے اونچے علم ہوتے تھے۔ اب آج کل سب کچھ ویسا ہی رہتا ہے مگر ضریح کو امام چوک پر نہیں رکھا جاتا ہے کیونکہ اس کی لکڑی بہت پرانی ہو چکی ہے۔ مرمت کے بعد اب وہ ضریح مبارک ضریح خانے میں محفوظ کردی گئی ہے۔ ضریح خانہ پہلے خام تھا جسے عزیزم ضیا امام سلمہ کی سعی و کاوش اور تمام اہل بستی کے تعاون سے اب وسیع اور پختہ کیا جا چکا ہے۔ بستی میں جو کربلا ہے وہ بھی خوبصورتی میں انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔ کربلا کی پوری عمارت اونچائی پر تعمیر کی ہوئی ہے جو ایک باؤنڈری وال کے اندر ہے جس میں داخل ہونے کے لئے دو دروازے ہیں (اب ایک دروازہ بند کردیا گیا ہے) دروازے سے اندر داخل ہونے پر کھلی ہوئی چاروں طرف بہت جگہ ہے اور اس کے بیچ میں خاص عمارتِ کربلا ہے۔ اس عمارتِ کربلا میں آٹھ کھلے ہوئے در ہیں۔ ان ہشت پہل در کے اوپر بہت ہی خوبصورت جال بنا ہوا ہے اور تب کنگورے ہیں اور ایک بڑا سا گنبد ہے۔ ہشت پہل دروازے سے عمارت کربلا کے اندر جانے پر بیچ میں ایک کنواں ہے جو اوپر سے چوکور لکڑی کے تختوں سے ڈھکا ہوا ہے لیکن بوقت ضرورت اسے کھولنے کے لئے اس کے اوپر میں ہی ایک چھوٹا سا دروازہ (پٹ) بھی ہے۔ ڈھکے ہوئے کنویں کے چاروں طرف کھڑے ہونے کی کافی جگہ ہے۔ اس طرح کربلا کی پوری عمارت بہت کشادہ ہے جس میں تقریباً سو سے زیادہ آدمیوں کی گنجائش ہے۔ کربلا اور تعزیہ خانہ کے علاوہ بستی میں ایک عزا خانہ بھی ہے۔ یہ عزا خانہ پہلے خام تھا مگر مومنین کے تعاون سے وہ

اب پختہ بن چکا ہے۔ جسے سرکاری امام باڑہ کہا جاتا ہے۔ اس کے قریب ہی بستی میں ایک مکتب بھی تھا جس میں ہمیں بھی ۳۶-۱۹۳۵ء میں مَیں بھی زیرِ تعلیم تھا۔ میرے مدرس جناب صاحب رضا صاحب مرحوم اس میں ہم لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ وہ ایک اچھے خوش نویس اور عمدہ سوز خواں بھی تھے۔ انہوں نے کئی ایک حسین طغریٰ بھی بنایا تھا۔ موصوف سے جناب غلام عباس صاحب نے بہت سے مرثیے خوش خط لکھوائے تھے۔ غلام عباس ماموں اپنی کالی شیروانی اور کالی رامپوری کیپ میں اکثر عشرۂ محرم کی مجلسوں میں میر انیس، مرزا دبیر اور جمیل مظہری کا مرثیہ پڑھا کرتے تھے۔ مرثیہ پڑھنے کا اُن کا انداز بہت ہی اچھا اور پُر اثر تھا۔

بستی میں ہمارے بزرگ زمیندار تھے اور بڑے وضع قطع والے تھے۔ ان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات، عالمِ دین، ماہرِ طب، شاعر اور ادیب تھے۔ بعض سرکاری دفاتر میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ جناب حکیم سید زین العابدین صاحب اور حکیم سید محمد بشیر صاحب نہ صرف اچھے حکیم تھے بلکہ عالمِ دین بھی تھے اور مجلسوں میں اچھی ذاکری کیا کرتے تھے۔ حکیم سید محمد بشیر صاحب تو ایک اچھے شاعر بھی تھے اور اکثر محفلوں میں اپنا کہا ہوا قصیدہ پڑھا کرتے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا سید حامد حسین صاحب اور مولانا سید اظہار الحسنین صاحب تھے یہ دونوں بھی اچھے عالم تھے۔ ان کے علاوہ ڈپٹی سید نادر حسن صاحب، سید قادر حسن صاحب، علی اکبر صاحب، بندہ حسن صاحب، علی اصغر صاحب، علی ابراہیم صاحب، علی امام صاحب، حسن امام صاحب، علی عباس صاحب، محمد حسن صاحب، افتخار احمد صاحب، غلام عباس صاحب اور ڈاکٹر نذر امام صاحب جیسی اہم شخصیتیں بستی کی زینت تھیں۔ ان بزرگوں کو اپنے وضع قطع اور اپنے خاندانی وقار کا خاص خیال رہتا۔ انہیں جب کبھی باہر جانا ہوتا یا تقریب کا موقع ہوتا جیسے عید، بقرعید یا مجلس و محفل میں شرکت تو وہ ضرور اپنی شیروانی میں ہوتے اور ان کے سر پہ کالی گول اور قدرے اونچی ٹوپی ہوتی تھی۔ یہ بزرگ بہت ہی مہذب، سادہ لوح، نیک مزاج، انصاف پسند اور بارعب تھے۔ بستی میں سبھی ان کی عزت کرتے اور ان کے فیصلے کو حرفِ آخر سمجھ کر تسلیم کرتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ پوری بستی تمیز و تہذیب، علم و ادب کیس اتھ ساتھ امن و چین اور آپسی خلوص و محبت کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ مگر خزاں کے ایک جھونکے سے جیسے گلہائے چمن منتشر ہو جاتے ہیں اور گلستاں اُجاڑ ہو جاتا ہے ویسے ہی تقسیمِ ملک کی وجہ سے بہت سے بزرگ اپنے پورے کنبے کے ساتھ وطن عشری چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔ جناب علی اکبر صاحب جن کو میں منجھ بھائی کہتا تھا

وہ اوور سیئر تھے اور ریٹائر ہونے کے بعد وطن عشری میں اُن کا قیام تھا، اپنے پورے کنبے کے ساتھ یہ بھی پاکستان کراچی چلے گئے۔ اُن کے ساتھ ہی اُن کے چھوٹے بھائی علی اصغر صاحب بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ منجھ بھائی اپنے یہاں کی مجلس میں مرثیہ پڑھتے تھے۔ اُن کا ایک خاص انداز تھا اور بہت بلند آواز میں پڑھتے تھے۔ دیکھتے دیکھتے باقر بھائی کا گھرانا بھی خالی ہو گیا۔ ہاشم سلمہ بھی فیملی کے ساتھ پاکستان چلے گئے۔ عزیزم ہاشم سلمہ کی ذکاوت و ذہانت کا کیا کہنا۔ اسکول اور کالج کی لائف میں ہمیشہ اول رہے۔ وہ وہاں پاکستان میں ڈیفنس محکمہ کے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز رہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ بستی کے کئی ایک گھر خالی ہو گئے۔ جناب منظور احمد صاحب، عیسیٰ بھائی، علمدار اور اُن کے بڑے بھائی شبیر صاحب، فرحت حسین، حسن اور اُن کے چھوٹے بھائی فضل امام عرف فضلو، میرے چچا زاد بھائی جناب سید علی امام صاحب اور میرے منجھلے بڑے بھائی غلام حسن صاحب اور اختر عباس بھائی بھی اپنے کنبے کے ساتھ پاکستان چلے گئے۔ اختر عباس بھائی جب تک حیات سے رہے برابر کراچی سے اپنے وطن عشری آیا کرتے تھے۔ جناب حسن عباس صاحب اور سبط حسن صاحب بھی اپنا اوپشن دے کر پاکستان گئے مگر ملازمت چھوڑ کر پھر اپنے وطن واپس آ گئے۔ سب کے بعد سید چچا بھی اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان سدھارے۔ بھائی اظہار الحسنین صاحب جو اچھے عالم تھے، ادارہ اصلاح کھجواں سے بہت دنوں تک منسلک رہے۔ ان ہی کے زمانے میں اصلاح کھجواں کے رسالے میں بااقساط آیت اللہ جناب مولانا سید راحت حسین صاحب قبلہ مرحوم گوپالپوری کی تحریر کردہ تفسیر قرآن بنام انوار القرآن شائع ہوا کرتی تھی۔ تقسیمِ ہند کے بعد مولانا موصوف یعنی اظہار بھائی بھی پاکستان چلے گئے۔

اس طرح بستی کے بہت سے گھر ویران ہو گئے اور پاکستان آباد ہوا۔ بستی کے بقیہ بزرگ ہستیوں میں بڑی بڑی ہستیاں پیوند خاک ہو گئیں۔ میں نے اپنے ایک چچا ڈپٹی سید نادر حسن صاحب کو دیکھا ہے۔ بہت مشہور اور بارعب شخصیت تھی ان کو برٹش حکومت میں ملازمت میں ایمانداری، دیانتداری اور وفاداری کے بنا پر خان صاحب کا ٹائٹل (لقب) دیا گیا تھا اور بہت سارے تمغوں سے نوازا گیا تھا۔ یہ ریٹائر ہونے کے بعد اپنے وطن عشری آ چکے تھے۔ یہ میرے اسکول لائف کا زمانہ تھا ہر شام علی عباس بھائی مرحوم جو ڈسٹرکٹ رجسٹرار تھے، کے مکان عباس منزل کے چبوترے پر بزرگوں کی ایک نشست ہوا کرتی تھی۔ چبوترے پر ڈپٹی صاحب کا پروردہ ملازم بوانے اُن کی چارپائی بچھاتا اور ایک بڑا سا مسند رکھتا۔ چارپائی کے سامنے دو رویہ بہت ساری کرسیاں ہوتیں اور تب آخر میں ایک

چوکی بھی بچھی ہوتی تھی۔ شام کے وقت ڈپٹی صاحب اپنی چھڑی لیتے ہوئے عباس منزل کی دالان سے باہر نکلتے اور چارپائی پر مسند سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے۔ اُدھر حکیم سید محمد بشیر صاحب اپنے پیچوان حُقّے کے ساتھ اپنے گھر سے برآمد ہوتے اور ڈپٹی صاحب کی چارپائی سے متصل کرسی پر تشریف رکھتے۔ بقیہ کرسیوں پر بندے بھائی، علی ابراہیم بھائی، ابوذر چچا، علی عباس بھائی، احمد بھائی اور سید چچا وغیرہ ہوتے۔ بیچ میں حکیم صاحب کا حقہ ہوتا وہ خود بھی پیتے اور دیگر بزرگ بھی اس سے لطف اندوز ہوتے۔ کبھی دینی باتیں ہوتیں تو کبھی علمی و ادبی مفید اور اچھی گفتگو ہوتی۔ کبھی یہ بزرگ مزاح المومنین کا آپس میں لطف لیتے۔ ڈپٹی صاحب کے انتقال کے بعد بھی اس چبوترے کی رونق ہر شام اسی طرح باقی رہی۔ کبھی فرصت میں غلام عباس ماموں اور ڈاکٹر نذر امام صاحب پٹنہ سے جب وطن آتے تو اس نشست میں اور بھی چار چاند لگ جاتے۔ رفتہ رفتہ بزرگوں کی جگہ خالی ہوتی چلی گئی۔ میرے والد سید قادر حسن صاحب، علی عباس بھائی، حکیم صاحب، احمد بھائی، علی ابراہیم بھائی اور بندے بھائی جیسی ہستیاں پیوند خاک ہوگئیں پھر بھی یہ چبوترہ آباد رہا اور غلام عباس ماموں و سید چچا وغیرہ کے فلک شگاف قہقہوں سے گونجتا رہا۔ میرے بھتیجے ڈاکٹر سید نذر امام صاحب آنکھ کے ایک اچھے سرجن تھے، وہ ایک اچھے ادیب بھی تھے۔ جسم وصحت پر ان کا ایک رسالہ زخم و نشتر کے عنوان سے پٹنہ سے نکلتا تھا اور جب احمد بھائی مرحوم اور بھابی مرحومہ حج سے فارغ ہوکر عشری آئے تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک کتاب ''عشری سے کربلا تک'' کے عنوان پر تحریر کیا جو حج اور مقدس مقامات کے تذکرے سے لبریز تھی جو دیگر حاجیوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب سابق جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کی آنکھ بنانے کے لئے اپنے سینئر ڈاکٹر کے ہمراہ پٹنہ سے دہلی تشریف لے گئے تو جب ڈاکٹر راجندر پرشاد کو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر نذر امام صاحب، ڈپٹی سید نادر حسن صاحب کے پوتا ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے۔ دعائیں دیں اور ہاتھ کی ایک گھڑی بھی بطور انعام ڈاکٹر نذر امام صاحب کو عطا کیا کیونکہ ڈاکٹر راجندر پرشاد اور میرے چچا ڈپٹی صاحب ایک ساتھ ضلع اسکول چھپرہ میں طالب علم رہ چکے تھے۔ اس طرح مہدی فیملی کی ایسی ہستیوں سے عشری کا نام بام عروج تک پہنچا۔ مہدی فیملی کے ایک فرد حسن بھائی بھی تھے جو ڈپٹی صاحب کے فرزند تھے۔ حسن بھائی سیاست میں تھے مگر وہ ایک سچے نیشنلسٹ اور ایماندار سیاستداں تھے۔ موجودہ سیاستدانوں سے بالکل وہ مختلف تھے۔ وہ ایمانداری کی بنا پر مالی اعتبار سے پریشان حال رہے اور سیاست میں کامیابی حاصل نہ کر سکے مگر بڑے سیاستدانوں اور آفیسروں کے

نزدیک اُن کی عزت بہت تھی۔ ان ہی کے وقت میں شری مہامایہ بابو چیف منسٹر بہار کا عشری کا پروگرام بنا۔ اتنا ہی نہیں شری لال بہادر شاستری بھی حسن بھیا کے مدعو کرنے پر عشری انسانی برادری کی میٹنگ میں تشریف لائے تھے۔ بعد میں شاستری جی ملک کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اس طرح بڑی بڑی ہستیوں سے حسن بھائی نے اپنی بستی عشری کو روشناس کرایا اور اسے عزت بخشی۔ ڈاکٹر نذر امام صاحب، غلام عباس صاحب اور حسن بھائی جو مہدی فیملی کے افراد تھے، کے انتقال کے بعد بستی میں کافی سناٹا چھا گیا۔ بستی کے ایک اور بزرگ جناب افتخار احمد صاحب عرف حسینی بھائی جو بہت ہی نیک اور پُر مذاق انسان تھے ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ ابراہیم بھائی مرحوم کے بڑے صاحبزادے جناب سید عون و محمد نجم صاحب سلمہ اچھی علمی صلاحیت کے حامل تھے اور عمدہ ذاکری کرتے تھے مگر افسوس وہ ہستی بھی اُٹھ گئی۔ نجم سلمہ نے ایک انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا جس کا نام ''خداشناسی'' تھا۔ نجم مرحوم بہت ہی نیک طبیعت، مخلص اور ہمدرد تھے۔ اب سید صفدر رضا عرف ہینگو بھائی جو مہدی فیملی کے ہی بزرگ فرد تھے بڑے نیک مزاج اور خاموش طبیعت تھے۔ اپنے اس روایتی چبوترے پر کرسی نکال کر بیٹھتے، جعفر رضا عرف بھولا بابو اور بستی کے دو چار نوجوان بھی آجاتے اور خوش گپی ہوتی۔ یہ سلسلہ کچھ دنوں تک قائم رہا مگر ہینگو بھائی کے انتقال کے بعد مکمل سناٹا ہوگیا۔ کیسی کیسی ہستیاں خاک میں مل گئیں۔ زمانہ گزرتا گیا۔ گرد و غبار سے بستی کی سڑک اونچی ہوتی گئی یہاں تک کہ یہ روایتی چبوترہ بھی کسی حد تک خاک کے اندر چلا گیا۔ ہاں اُن بزرگ ہستیوں کی اور اس چبوترے کی رونق کی ایک حسین یاد آج بھی باقی رہ گئی۔

زمینداری ختم ہوگئی اور وہ بزرگ ہستیاں یکے بعد دیگرے زینت گورستاں ہوگئیں مگر ان کی اولادیں جو آج بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اُن کے علم و فن سے عشری کا نام آج بھی درخشاں ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ ملازمت پیشہ ہونے کی وجہ سے وہ بستی سے باہر رہنے پر مجبور ہیں۔ ضیاء امام صاحب انجینئر، تنویر امام صاحب ڈاکٹر اور اُن کے دو چھوٹے بھائی نیر امام اور مہر امام یہ دونوں بھی انجینئر ہیں۔ یہ مہدی دادا کے تیسرے فرزند حکیم جناب حیدر حسن صاحب مرحوم کی ذریت میں ہیں۔ ڈاکٹر سید معصوم رضا سلمہ کی لکھی ہوئی دو کتابیں ''عادل اثیر دہلوی: شخصیت اور فن'' اور دوسری کتاب ''اردو انشائیہ اور احمد جمال پاشا'' کے عنوان سے دہلی سے شائع ہو چکی ہیں۔ ڈاکٹر معصوم رضا سلمہ کے بڑے بھائی سید جاوید رضا اور دو چھوٹے بھائی یہ بھی مہدی دادا کے دوسرے لڑکے مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم

کی ذریت میں ہیں۔ عزیزم معصوم رضا سلمہ کے لئے میری بھی دعا ہے کہ "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ" اور وہ جلد ہی علم وادب کی دنیا میں ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہوں۔ میرے چچا سید مرتضیٰ حسن مرحوم کے پوتا اظہر رضا صاحب جو سید صفدر رضا صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں ریٹائر ہونے کے بعد اپنی فیملی کے ساتھ شہر مظفر پور میں مستقل طور پر رہتے ہیں۔ حسن امام بھائی مرحوم کے لڑکے تقی امام اپنے تین چھوٹے بھائیوں کے ساتھ چھپرہ میں رہتے ہیں۔ یہ مہدی دادا کے بڑے لڑکے سید مصطفیٰ حسن صاحب مرحوم کی ذریت میں آتے ہیں۔ حسن امام بھائی جو میرے چچا زاد بھائی تھے وہ اُس زمانے میں جبکہ ایم۔اے کی ڈگری حاصل کرنا ایک امر محال تھا، انگلش سے ایم۔اے تھے پھر ایل ایل بی کر کے شہر چھپرہ میں وکالت کرتے تھے۔ حسن امام بھائی کے لئے انگلش اُن کی مادری زبان جیسی ہوگئی تھی۔ وہ اکثر چھپرہ سے وطن عشری تشریف لاتے۔ ایک بار جب وہ عشری آئے ہوئے تھے جب وہ اپنے عالیشان مکان سے باہر نکلے تو ان کی نظر شیخ علی جان پر پڑی جو اُن کی حویلی کی پوربی بونڈری وال کے باہر اپنے دروازے پر کھڑا تھا، اُس پر نظر پڑتے ہی حسن امام بھائی نے اُسے یوں آواز دینا شروع کیا۔ "کم اون علی جان، کم اون" (come on Alijan come on.) وکیل صاحب کی گرجدار آواز سن کر شاید وہ کچھ ڈرا اور سہا سہا سا حویلی کے گیٹ کی طرف آ ہی رہا تھا کہ اُسے شیخ حشمت نظر آ گیا۔ اس نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجہ میں اُس سے پوچھا۔ "ای اُو کیل صاحب کا کہہ تا رے" اُس نے کہا علی جان گھر بھاگ جا بس یہ سننا تھا کہ وہ اپنے گھر کی طرف ہانپتا کانپتا بھاگ کھڑا ہوا اور اِدھر وکیل صاحب زور زور سے یہ کہتے ہی رہے "علی جان کم اون، کم اون۔ ڈونٹ فیئر علی جان، (Don't fear Alijan) کم اون۔" اور وہ بیچارہ علی جان مارے خوف کے جلدی اپنے گھر میں گھس گیا۔ مہدی دادا کے چوتھے فرزند جناب سید صفدر حسن صاحب مرحوم لاولد گزر گئے۔ مگر مہدی دادا کے پانچویں لڑکے ڈپٹی سید نادر حسن صاحب کے پر پوتے سید رضوان رضا، سید ریحان رضا اور سید نادر رضا عرف رنگو عشری میں رہتے ہیں۔ مہدی دادا کے چھٹے لڑکے سید قادر حسن صاحب مرحوم میرے والد تھے۔ میرے سگے بڑے بھائی سید امیر حسن صاحب ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے بڑے لڑکے نہال احمد سلمہ کے ساتھ چھپرہ میں رہتے ہیں۔ ان کے دوسرے لڑکے قمر علی انجینئر ہیں اور چھوٹے لڑکے حیدر علی بھی انجینئر ہیں۔ میں بھی اپنی ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد بھی پٹنہ تو کبھی اپنے بڑے لڑکے محمود اصغر عباس سلمہ کے ساتھ آسنسول (بنگال) رہتا ہوں۔ میرے بڑے

صاحبزادے مائنس میں انجینئر ہیں اور چھوٹے صاحبزادے محمد مظہر عباس سلمہ پونے میں کمپیوٹر انجینئر ہیں اور سوفٹ ویئر ڈیولپمنٹ کی ایک بڑی کمپنی میں ملازم ہیں۔ سلمہ اپنی کمپنی کے کام سے ہر سال ماہ ستمبر میں دو تین مہینوں کے لئے نیو جرسی امریکہ جاتے ہیں۔ یہ بھی مہدی فیملی کے افراد ہیں جو ملازمت کی وجہ سے باہر رہتے ہیں۔ بھائی اظہار الحسنین صاحب عشروی کے فرزند جناب تمیز الحسنین صاحب بہ سبب ملازمت نیو جرسی امریکہ میں ہی رہتے ہیں۔ ان کے چچا جناب حامد حسنین صاحب عشروی کے بعض بیٹے بھی اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ کوئی ڈاکٹر، کوئی انجینئر تو کوئی پروفیسر ہے۔ حامد بھائی مرحوم بہرائچ (یو۔پی) میں قیام رکھتے تھے مگر کبھی کبھی عشری آیا کرتے تھے۔ ان ہی کی سعی بلیغ سے انجمن وظیفۂ سادات بھی بام عروج پر تھا۔ جناب افتخار احمد صاحب عرف حسنی بھائی کے لڑکے عزیزم اقبال سلمہ جو حیدرآباد میں رہتے ہیں اُن کے تینوں لڑکے امریکہ میں مقیم ہیں اور ایک بڑی کمپنی میں ملازم ہیں۔ جناب علی ابراہیم صاحب کے لڑکے عزیزم محمد حسنین سلمہ کے تین صاحبزادے محسن، احسن اور جون سلمہ بھی تعلیم حاصل کر کے ملازمت میں آچکے ہیں اور دہلی میں مقیم ہیں۔

گرچہ ملازمت پیشہ ہونے کی وجہ سے ان سبھوں کو باہر رہنا ہوتا ہے مگر محرم کا چاند ہوتے ہی ان میں سے اکثر اپنے وطن عشری آجاتے ہیں اور پھر ایک بار عشری میں چند دنوں کے لئے ہی سہی مگر رونق لوٹ آتی ہے اور عباس منزل کے چبوترے کی وہ جگہ پھر سے آباد نظر آتی ہے۔

□□□

قطعہ

کربلا کی جنگ اپنی آخری منزل میں ہے
تشنگی کا ذکر بھی موجوں میں ہے ساحل میں ہے
مسکراہٹ کہہ رہی ہے اصغرِ معصوم کی
"دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے"

سید معصوم رضا

روضہ بی بی قیصرؒ و بی بی زہراؒ

سید آل ابراہیم

صوبہ بہار کے سیوان ضلع کے سیسون بلاک میں مُجھر یا ایک موضع ہے جس کے ایک وسیع میدان میں دو روضے ہیں جو بلا تفریق مذہب و ملت زائرین کی زیارت گاہیں ہیں۔ سید حسن عرف بیچھے پہلوان کا روضہ ایک کشادہ تالاب کے کنارے ہے۔ کچھ فاصلہ پر جڑواں قبریں بی بی قیصرؒ و بی بی زہراؒ کی ہیں جو سگی بہنیں تھیں۔

سیوان ضلع ہیڈ کوارٹر سے ۱۵؍ کلومیٹر جنوب حسن پورہ ایک موضع ہے جو خود ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے اسی کے مغرب جانب دو کلومیٹر کے فاصلہ پر یہ روضے واقع ہیں۔ روحانیت سے سرشار ان روضوں کو فضاء میں جب کوئی شخص آتا ہے تو اسے قلبی سکون حاصل ہوتا ہے۔ ان مقدس مقامات پر رحمت الٰہی کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح بارش کی بوندیں بلا امتیاز ہر جگہ پڑتی ہیں اسی طرح ہر کس و ناکس کی دعائیں ان حضرات کے وسیلے سے بحق محمدؐ و آل محمدؐ قبول ہوتی ہیں۔

یوں تو ہر موسم میں یہاں زائرین آتے ہیں لیکن چند سال قبل سے ماہِ فروری کے گلابی جاڑا میں ان روضوں کے قریب انواع و اقسام کے مویشیوں کا ایک میلا لگتا ہے۔ ضروریات زندگی کی تمام اشیاء کی دکانیں سجتی ہیں، ہوٹل کھلتے ہیں اور مٹھائیوں کے اسٹال بھی لگتے ہیں۔

مُجھر یا سے متصل شیخ پورہ گاؤں ہے۔ اس گاؤں کے باشندے مستقل طور پہ ان روضوں کے نگراں ہیں۔ تعمیر، صفائی اور روشنی پر ان کے رجحانات رہتے ہیں بی بی قیصر و بی بی زہرا کا روضہ زیر تعمیر ہے روضے کی زمین اب محدود ہو گئی ہے۔ اس کا وسیع میدان کھیتوں میں تبدیل ہو گیا ہے جو اہل شیخ پورہ کے قبضے میں ہے۔

کھلی فضاء، اردگرد سبز و شاداب اشجار پر چہچہاتے پرندے اور لہلہاتے کھیت قدرتی مناظر پیش کرتے ہیں۔ تالاب کے چاندی نما سطح پر آبی پرندے جھنڈ کے جھنڈ پرواز کرتے نظر آتے ہیں جو اپنی منقاروں سے مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں۔ دورِ حاضر میں مراقبہ (Meditation) کے لئے یہ بہترین جگہ ہے۔

روضہ کی تاریخ

تقریباً پانچ سو سال قبل جس خطۂ ارض پہ یہ قبریں ہیں وہاں ایک عالیشان قلعہ تھا جو قلعۂ مُجھر یا کے نام سے مشہور تھا۔ اس قلعہ کو سید جلال الدین رضوی علیہ الرحمہ نے تعمیر کرایا تھا اور اہل خاندان کے ساتھ یہاں مقیم تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ سید حمزہؒ شہرِ قم ایران سے دلی آئے۔ اس دور میں بھی قم ایک خوبصورت شہر تھا اور علم و فضل کا مرکز تھا۔ اس شہر میں ایک ایسا چشمہ ہے کہ جو اس سے پانی پی لے شفایاب ہو جائے۔ یہی وہ چشمہ ہے جس سے حضرت عیسیٰؑ نے اس مٹی کو بحکم خدا گوندھا تھا اور ایک طائر کی شکل دی جسے اللہ نے روح عطا کی جو ہوا میں پرواز کرنے لگا۔ آٹھویں امام حضرت علی رضا علیہ السلام کی ہمشیرہ حضرت فاطمہؑ کا یہاں روضہ ہے جو بہت ہی مقدس جگہ ہے۔

سید حمزہؒ کا ہندوستان آنے کا مقصد تبلیغ حق و صداقت تھا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر (نیک کاموں کا حکم اور برے کاموں سے روکنا) سے عوام کو راہ مستقیم پر گامزن کرانا ان کا مشن تھا۔ آپ کے علم، تقویٰ، فہم و فراست اور پرکشش شخصیت سے بادشاہ ودلی (Delhi Sultanat) بہت متاثر ہوئے۔ اپنی فوج میں اعلیٰ عہدہ پر فائز کیا۔ سید حمزہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ دلی میں رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد دلی حکومت نے آپ کو غازی پور (یو۔ پی) بھیج دیا۔ نظم و نسق اور مالیات سے متعلق اہم ذمہ داریاں آپ کے سپرد کیں۔ آپ نے وہاں سکونت اختیار کی۔ آپ سے سادات رضویہ کی نسلیں وہاں پھیلیں اور آباد ہوئیں۔ اس خانوادہ کی پانچویں پشت میں ایک بزرگ ہستی ابھری جن کا نام سید جلال الدینؒ تھا۔

سید جلال الدینؒ غازی پور سے مع وابستگان بہار کے ضلع سارن (موجودہ ضلع سیوان) کے مُجھر یا گاؤں تشریف لے آئے۔ خاندانی وجاہت کی بناء پر حکومت ہند سے آپ کا رابطہ بنا رہا جس کے تحت کئی مواضع زمینداری کے آپ کو عنایت کئے گئے۔

سید جلال الدین مذہبی، با اخلاق، غریب پرور، مہمان نواز اور اثنا عشری عقیدہ کے پیرو تھے۔ آپ نے اپنے خاندانی وقار کو قائم رکھا۔ آپ صاحب علم تھے۔ پند و نصائح کرنا عوام کے درمیان آپ کا شیوہ تھا۔ اللہ نے آپ کو دولت کثیر عطا کی تھی۔ زکوٰۃ، خیرات و دیگر واجبات اسلام پابندی سے ادا کرتے جس کی وجہ سے دولت میں خیر و برکت رہتی۔ غریب، نادار، بیوہ، مسکین وغیرہ خالی ہاتھ واپس نہیں جاتے۔ راہ گیر و مسافر قلعہ کی جانب سے جب گزرتے تو ان کی بھی ضیافت ہوتی۔

سید مبارک حسین عرف سید مبارک دادؒ

سید مبارک حسینؒ، سید جلال الدین کے فرزند تھے۔ آپ اپنے پدر بزرگوار کے اعلیٰ کردار کے آئینہ تھے۔ آپ پرہیزگار، بزرگ، صوفی مزاج اور صاحب کرامت تھے۔ ہر قوم و ملت کے لوگ آپ کا احترام کرتے۔ قرب و جوار میں آپ کی ایک مقناطیسی حیثیت تھی۔ پریشان حال، مصیبت زدہ اور آفت کا مارا کوئی شخص آپ کی خدمت میں آتا تو آپ کی روحانیت اسے سکون بخشتی۔ اگر مالی امداد کی اسے ضرورت ہوتی تو وہ بھی پوری کرتے اور اس فیاضی کے ساتھ کہ وہ خوش ہو کر لوٹتا۔

سید حسن عرف میٹھے پہلوانؒ

سید حسنؒ، سید مبارک حسینؒ کے فرزند تھے۔ آپ خوبرو، متین، فراخ دل، پرہیزگار اور صاحب علم تھے۔ فن حرب و ضرب میں ماہر تھے۔ کشتی کے آپ شوقین تھے۔ بڑے بڑے پہلوانوں سے آپ کا جب مقابلہ ہوتا تو آپ سبھوں کو زیر کر دیتے۔ مزاج میں شہد کی مٹھاس تھی اس وجہ سے اپنے علاقہ میں اور دور دراز خطوں میں میٹھے پہلوان کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی شادی مانجھی (سارن ضلع) کے ذی وقار، معزز، زمیندار سادات گھرانے میں ہوئی۔ اس خاندان کا قلعہ مشہور تھا۔ آج بھی کھنڈر کے کچھ نشانات پائے جاتے ہیں۔

بی بی قیصرؒ و بی بی زہراؒ

سیدانیاں بی بی قیصر و بی بی زہرا، سید حسن کی صاحبزادیاں تھیں۔ یہ دوشیزائیں حسن و سیرت میں بے مثال تھیں۔ غریب پروری میں بلند حوصلہ رکھتی تھیں۔ خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہراؑ کی زندگی کو اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ گرچہ کم سنی کا عالم تھا لیکن عبادت گزار ایسی تھیں کہ ان کے چہرے نورانی تھے۔ پردہ کا خیال ہمیشہ رہتا۔ گھر کے مذہبی ماحول میں وہ پروان چڑھ رہی تھیں۔ مجلس عزا خواتین کے درمیان برپا کرتیں۔ غیر مسلم عورتیں بھی شرکت کرتیں۔ تقدس ان کی میراث تھی۔ غریب عورتوں سے شفقت سے ملتیں اور حاجت روائی کرتیں۔

ایک بار کا واقعہ یہ ہے کہ دروازے پر ایک بھکارن نے صدا لگائی۔ حسب معمول جب یہ دوشیزائیں مدد کرنے دروازے پر آئیں تو اس کی خستہ حالی دیکھ کر تڑپ گئیں۔ سونے اور چاندی کے

سکوں سے اس کی مدد کی۔ بھکارن نے ان کے چہروں پر نظر کی، اس نے محسوس کیا کہ آسمان سے چاند کے دو ٹکڑے زمین پر اتر آئے ہیں۔ بھکارن نے کبھی توقع بھی نہیں کی تھی کہ بھیک کے طور پر اتنی دولت مل جائے گی جو اس کی قسمت کو خاک سے عرش پہ پہنچا دے۔ دعائیں دیتی اور قصیدہ پڑھتی وہ خوشی خوشی اپنے گھر لوٹ گئی۔ وہاں جا کر اس نے سارے حالات اپنے سماج میں بیان کئے۔ یہ خبر مثل برق چاروں طرف پھیل گئی۔

حاسدین کے ناپاک ارادے اور جنگ

مجھریا سے مانجھی کے اطراف اور ان سے متصل علاقوں میں دیگر زمیندار گھرانے آباد تھے۔ ان میں سے ایک زمیندار گھرانا سید مبارک حسینؒ اور ان کے خاندان کے جود و سخا، نام و نمود، عزت و توقیر کی بناء پر بہت زیادہ حسد کرتا تھا۔ بھکارن کے مالی ترقی کی خبر اسے پہنچی۔ حاسد، تخریب، عیاش طبیعت زمیندار کے دل میں شیطانی جذبہ پیدا ہوا۔ اس نے ایک جاسوس عورت کو بھکارن کی شکل میں مجھریا بھیجا تا کہ واقعہ کی تصدیق ہو سکے۔ جاسوس عورت لوٹ کر آئی اور اس نے دربار مبارک حسین سے ملی ہوئی بھری جھولی اس زمیندار کے آگے رکھ دی۔ ان دونوں دوشیزاؤں نے اس عورت کے ساتھ بھی فیض بخش سلوک کئے۔ جاسوس عورت نے لڑکیوں کے حسن و جمال کی تعریف کی۔ اعلیٰ اخلاق کا کلمہ پڑھا۔ اسی وقت زمیندار نے اُن کے اغوا کا منصوبہ بنایا۔

ایک شب اُس متشدد پسند زمیندار نے اپنے مسلح آدمیوں کے ساتھ مجھریا قلعہ پر حملہ کر دیا۔ سید مبارک حسینؒ، سید حسن عرف میٹھے پہلوان اور دیگر گھر کے افراد کو موقع تک نہ ملا کہ اچھی طرح ہتھیار سے آراستہ ہوں۔ پھر بھی ان حضرات نے دشمنانِ انسانیت کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ سید مبارک حسینؒ، سید حسن عرف میٹھے پہلوان اور دیگر افراد شہید ہو گئے۔

جب قلعہ کے باہر جنگ ہو رہی تھی اس وقت حرم سرا میں مخدرات نے بی بی قیصر و بی بی زہرا کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ دوشیزاؤں نے چہاردہ معصومین کا واسطہ دیتے ہوئے خداوند عالم سے عزت و آبرو محفوظ رہنے کو خاطر زمین کے شق ہونے کی دعا کی۔ دعا ایک پل میں مستجاب ہوئی۔ جہاں یہ کھڑی تھیں وہاں زمین شق ہوئی۔ دونوں بہنیں شگاف میں داخل ہو گئیں۔ پھر شگاف بند ہو گیا۔ جیسے ابر میں چاند چھپ جاتا ہے اسی طرح یہ دونوں سیدانیاں نظروں سے پوشیدہ ہو گئیں۔ زمین پر ایک گہرا

نشان باقی رہا۔ نشان کے اوپر ان کے سروں کے بال نظر آتے رہے۔

دشمنوں نے قلعہ کے اندرونی حصے کی جانب قدم بڑھائے۔ جب حجرہ میں دوشیزائیں نظر نہ آئیں تو یکا یک ان کی نگاہیں زمین کے گہرے نشان پر پڑھیں۔ انھوں نے زمین کھودی۔ گیسو تو نظر آتے رہے لیکن دوشیزاؤں کا سراغ نہ ملا۔ منصوبہ میں کامیاب نہ ہونے سے دشمن جھلائے۔ سارے مال واسباب کو لوٹ لیا۔ قلعہ کی عمارت کو بہت نقصان پہنچایا۔

زمین کا شق ہونا، دوشیزاؤں کا اس میں نہاں ہونا یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ دوشیزائیں مقرب بارگاہِ الٰہی تھیں۔ یا تو یہ دونوں آغوشِ زمین میں رہیں یا وہاں خداوند عالم نے جنت کا راستہ کھول دیا جس سے وہ جیتے جی جنت میں داخل ہوگئیں۔ یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ جب زمین شق ہوئی تو آواز تک نہ سنی گئی۔ زلزلہ کے آثار نمودار نہ ہوئے۔ دیگر مخدرات جو وہاں موجود تھیں بے ضرر رہیں۔

تاریخ اسلام میں ٦٠٠ء میں خانہ کعبہ کی دیوار کے شق ہونے کا واقعہ مشہور ہے۔ حضرت ابوطالبؑ جو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفٰی صلعم کے چچا اور مربی تھے، ان کی زوجہ فاطمہ بنت اسدؑ کو جب دردِ زہ کی تکلیف ہوئی تو آپ مشورۂ رسول کریمؐ خانہ کعبہ کے قریب گئیں اور اس کا طواف کرنے کے بعد دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئیں اور بارگاہِ خدا کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگیں۔ خدایا میں مومنہ ہوں، تجھے حضرت ابراہیمؑ بانیٔ خانہ کعبہ اور اس مولود کا واسطہ جو میرے پیٹ میں ہے، میری مشکل دور کردے۔ ابھی دعاء کے جملے ختم نہ ہونے پائے تھے کہ دیوار کعبہ شق ہوگئی اور فاطمہ بنت اسدؑ داخل کعبہ ہوئیں۔ اور دیوار جوں کی توں ہوگئی۔ ولادت حضرت علیؑ کعبہ کے اندر ہوئی۔ حضرت علیؑ امام المتقین اور خلیفہ رسول ہیں۔ آپ کے فرزند حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ ہیں جو نواسۂ رسولؐ ہیں۔

چھٹن پور میں سید مبارک حسینؒ کا روضہ

جنگ گھریا میں جب سید مبارک حسینؒ شہید ہوئے تو سر معرکہ میں گرا۔ دھڑ اور تلوار کی گرفت گھوڑے پر باقی رہی۔ دس کلومیٹر کے فاصلہ پر چھٹن پور میں لب دریا دھڑ بھی گرا اور وفادار گھوڑے نے بھی دم توڑ دیا۔ سید مبارک حسین وہیں دفن ہوئے اور گھوڑے کو بھی ان کے بغل میں سپرد خاک کیا گیا۔ اس جگہ کا نام مبارک پور دیا گیا جو متصل چھٹن پور ہے۔

چھٹن پور کے ذی وقار، باثروت غیر مسلم اہل علم کی نگاہ میں سید مبارک حسینؒ کا بلند مقام تھا۔ وہ عقیدت کے تحت قبر پر آتے اور منت مانگتے ہیں۔ اللہ نے ان کی دعاء قبول کی۔ انھوں نے قبر پر مزار بنوادیا۔ دور حاضر میں یہ ایک خوبصورت روضہ ہے جو لب دریا بلندی پر واقع ہے۔ اس کا گنبد دور سے نظر آتا ہے۔ اس کے بغل میں مسجد ہے اور صحن میں ایک مدرسہ ہے۔ ہر قوم وملت کے لوگ فاتحہ کرانے آتے ہیں۔ منتیں مانگتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے۔ یہ روضہ سید مبارک دادا کے نام سے مشہور ہے۔

سید بھیک رضویؒ، سید نظام الدین رضویؒ

سید بھیک اور سید نظام الدین یہ دونوں سید حسن عرف مٹھے پہلوانؒ کے فرزند تھے۔ جس وقت جنگ میں ان کا گھر تاراج ہوا، باپ، دادا اور دیگر اعزاء بھی شہید ہوئے اس وقت سید بھیک کی عمر دس سال اور سید نظام کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ دشمنوں کی نگاہیں ان بچوں پر نہ پڑیں ورنہ یہ بھی شہید ہوجاتے۔ خداوند عالم کو ان سے نسلیں پھیلانی تھیں۔ یہ دونوں بھائی اپنی ماں کے ساتھ اپنے ننیہال مانجھی رہنے لگے۔ ان دونوں لڑکوں کی والدہ بھی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ننیہال خوشحال گھرانا تھا جہاں سید بھیک اور سید نظام کی تعلیم وتربیت کا اچھا انتظام کیا گیا۔ یہ بچے ننیہالی بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے۔ عنفوانِ شباب میں جب قدم رکھا تو خاندانی وجاہت، رعب وجلال آشکارا ہوا۔ مزاج میں سنجیدگی، متانت، حسینی عزم اور روحانیت وراثتاً حاصل ہوئی۔ دونوں لڑکے برابر اپنے دادا کی قبر پر فاتحہ پڑھنے چھٹن پور جاتے اور پھر وہاں سے والد محترم اور دیگر عزیزوں کی قبروں پہ فاتحہ پڑھنے گھریا جاتے۔ خوددار طبیعت کا ہونے کے سبب ننیہال میں اب زیادہ دن رہنا پسند نہیں کیا۔ باپ دادا کی چھوڑی ہوئی جائداد کی طرف متوجہ ہوئے۔ سید مبارک حسینؒ کی قبر کے پچھم دریا کے دوسرے کنارے پر گھنا سرسبز جنگل تھا جو سید مبارک حسین کی ہی ملکیت تھی۔ سید بھیک اور سید نظام برابر ہرے بھرے جنگل میں ہرن اور نیل گائے کے جھنڈ کو دیکھتے جو لب دریا آکر اپنی پیاس بجھاتے۔ دونوں بھائیوں نے یہ طے کیا کہ اس جنگل کو آباد کیا جائے۔ جنگل کٹوایا گیا۔ قبر مبارک حسینؒ کے مقابل رہائش گاہ کی تعمیر ہوئی۔ اس نو آباد خطہ کا کیا نام دیا جائے دونوں بھائیوں نے غور وفکر کیا۔ چھوٹے بھائی سید نظام الدین کے اصرار پر بڑے بھائی سید بھیک کے نام پر بھیک پور موضع مشہور ہوا۔

موضع عشری

یہ سادات رضویہ اثنا عشری کی بستی ہے جو بی بی قیصر و بی بی زہرا کے روضہ سے شمال قریب دو کلو میٹر پر واقع ہے۔ ایک زمانے سے یہ بستی میدان علم میں کافی زرخیز رہی ہے اور آج بھی خدا کے فضل و کرم سے پھل پھول رہی ہے۔

اس بستی کے دو بزرگ مخدوم شاہ لعل ؒ و مخدوم شاہ چمن ؒ دو سگے بھائی تھے۔ ان حضرات کا تعلق بھی خاندان سید مبارک علی سے تھا۔ مخدوم کے جو لغوی معنی ہیں ان حضرات کے صفات میں شامل تھے۔ اپنے دور میں یہ مقدس ہستیاں رضوی مشہدی کے نام سے مشہور تھیں۔ جنگ مجھریا میں یہ حضرات بھی دفاعی جنگ میں مشغول تھے۔ دونوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ سادات عشری ان ہی کی اولادیں ہیں۔

□□□

نوحہ

رہے گا ذکر ہی شبیر کا زمانے میں
یزید مٹ گیا اسلام کو مٹانے میں
اے حر تمہارا مقدر سنور گیا جس دن
وہ دن گزارا ہے سرور نے لاش اٹھانے میں
پسر کے سینے پہ برچھی کا پھل جو دیکھا تو
حسین رو پڑے اکبر کی لاش اٹھانے میں
لب فرات جو بازو کٹا کے سویا ہے
بھتیجی گزری ہے اس کی ہی قید خانے میں
رسن تھی جس کے گلے میں وہ مر گئی بچی
بنی ہے قبر سکینہ کی قید خانے میں
شہید ہو گئے اصغر اجڑ گیا جھولا
ہے ذکر آج بھی معصوم کا زمانے میں

سید معصوم رضا

کچھ سب کے بارے میں

سید معصوم رضا

بیسویں صدی ہر اعتبار سے ایک یادگار صدی کہی جا سکتی لیکن ہندوستان کے تناظر میں بیسویں صدی کو جہاں ترقیوں کے لئے یاد کیا جائے گا وہیں ہم تقسیم ہند کے دردناک واقعات کو بھی شاید بھول نہ پائیں۔ تقسیم ہند کے بعد ہجرت کا جو سلسلہ شروع ہوا اس نے نہ جانے کتنے گھر، خاندان، گاؤں اور شہر کو ایک ایسا نہ بھرنے والا زخم دیا جس کی چبھن کا احساس پشت در پشت ہوتا رہے گا۔ قیام پاکستان کے بعد ہندوستان کے بہت سے شہروں میں ویرانی کا سا عالم تھا میری بستی عشری بھی اس سے اچھوتی نہیں رہی۔ میں نے اپنے بچپن میں چند مکانات یا ان کے نشانات دیکھے تھے جس کے بارے میں بزرگوں سے سنا تھا کہ یہ فلاں صاحب کا مکان جو پاکستان چلے گئے۔ رفتہ رفتہ عشری کے وہ تمام مکانات کھنڈر میں تبدیل ہوتے گئے جس سے گاؤں میں ویرانی کا سا عالم تھا۔ تقریباً ربع صدی کے بعد ہجرت کا زخم کچھ بھر گیا اور موجودہ حضرات نے گاؤں کے تمام نظم و نسخ کو بدستور بحال رکھنے میں اہم رول ادا کیا۔ تقسیم ہند اور زمینداری کے خاتمے نے لوگوں کی کمر توڑ دی۔ تمام سماجی شرائط کی پابندی میں وہی تزک و احتشام باقی رہا جس سے اقتصادی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔

گاؤں میں مقیم تمام حضرات نے اپنے گھروں کی مرمت اور دیکھ بھال بہتر ڈھنگ سے کی لیکن جو لوگ بغرض ملازمت دوسرے شہروں میں رہے ان کے گھروں کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی اور اب کچھ لوگ ایسے بھی اس گاؤں کے ہیں جو ہندوستان میں رہتے ہوئے اپنے وطن سے ہجرت کر گئے اور آنا جانا ترک کر دیا ان کے گھروں کی حالت بھی انہیں مہاجرین کے گھروں کے جیسی ہے۔

عشری کے تمام حضرات کی آمد تقریباً محرم میں ہی ہوتی ہے۔ محرم میں گاؤں کی رونق میں بلاشبہ اضافہ ہوجاتا ہے وہ تمام گھر جو مہینوں مقفل رہتے ہیں چار دنوں کے لئے ہی صحیح لیکن وہ آباد ہوجاتے ہیں۔ مکیں سے مکاں کی رونق ہوتی ہے۔ تمام صعوبتوں کو برداشت کر کے لوگ عشری آتے ہیں اور اپنے وطن کی عزاداری میں شریک ہوتے ہیں۔ عشری میں عزاداری کا جو سلسلہ آزادی سے قبل تھا وہی روایت آج بھی قائم ہے۔ یہ بھی کچھ لوگوں کے مصمم ارادے اور بلند حوصلے کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد جو لوگ ہندوستان رہ گئے انہوں نے پورے انہماک سے عزاداری کو قائم رکھا۔

کسی بھی شیعہ بستی کا محور و مرکز وہاں کی عزاداری ہوتی ہے۔ ایام عزا میں چاند رات سے بارہ محرم تک اور پھر بارہ محرم سے ۸ ربیع الاول تک عشری میں عزاداری کا سلسلہ چلتا رہتا ہے روزانہ مجلس و ماتم برپا کئے جاتے ہیں۔ عشری کی عزاداری میں روایت کی دخل اندازی ہے یہاں شروع سے مقامی حضرات کی ہی شمولیت رہی ہے۔ اس میں ایک نام شیخ لیاقت مرحوم کا ہے جو امام باڑہ، ضریح خانہ کی مجاوری کرتے تھے۔ تمام مخصوص تاریخیں انہیں زبانی یاد تھیں اور وہ یاد دہانی کراتے رہتے فرش بچھانا بلاہٹ دینا ان کی ذمہ داری تھی اور وہ مجلس سے متعلق تمام ذمہ داری بخوبی نبھاتے رہے۔ یہاں کی عزاداری میں نئے طرز کی شمولیت تقریباً نہیں کے برابر ہے۔ ایام عزا میں پہلی محرم سے مجلسوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ شام غریباں کی مجلس کے بعد ہی ختم ہوتا ہے۔ محرم کے عشرے میں دن و رات ملا کر تقریباً نو مردانی مجلسیں ہوتی ہیں جن میں چھے عشرے قائم ہیں۔ باقی مجلسوں کا اہتمام خمسہ یا فرداً فرداً ہوتا ہے۔ یہاں تبرکات میں جھولا کی مجلس، تابوت، علم اور مہدی کی تعزیہ وغیرہ کی مجالسیں خصوصیات کی حامل ہیں۔ نو محرم کی مخصوص مجالس میں پانی کی مجلس اور جناب شوکت صاحب کے یہاں آنگن میں نوحہ و ماتم والی مجلسیں خصوصی توجہ کا مرکز ہوتی ہیں۔ یہاں دوزانو بیٹھ کر ماتم بھی کیا جاتا ہے جس سے قرب و جوار میں اس مجلس کا بہت شہرہ ہے۔ میں نے بچپن سے یہ محسوس کیا ہے کہ عشری کی عزاداری میں مخصوص مجالسوں میں مخصوص شخصیتوں کی سوز خوانی، مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی سے مجلس میں جوش و ولولہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کی وجہ سے جو تاثر پیدا ہوتا اس کا نقش ہر خاص و عام کے ذہن میں آج بھی محفوظ ہے۔ میں نے بچپن سے سوز پڑھتے ہوئے جناب سید نصیر حسن، سید حسن اختر بسو صاحب (مرحوم) سید سرور رضا اور سید اختر امام صاحبان کو دیکھا لیکن اب یہ ذمہ داری صرف سید سرور رضا صاحب نبھا رہے ہیں۔ مرثیہ خوانی کے فرائض غلام عباس صاحب انجام دیتے تھے لیکن ان کے انتقال

کے بعد جو خلاء پیدا ہوا اسے عون محمد نجم صاحب نے پر کیا لیکن ان کی ناگہانی موت سے پھر خلاء پیدا ہوگیا۔ اب مرثیہ خوانی کے فرائض کو سید افسر حسین، شوکت صاحب ہی انجام دے رہے ہیں۔ نجم صاحب نے ذاکری میں جو کمال حاصل کیا اس سے عشری کے سامعین بھی مستفیض ہوئے اب چند سالوں سے سرور رضا صاحب نے زبانی ذاکری کا سلسلہ شروع کیا ہے اس کے علاوہ ظفر حسنین صاحب اور محمد حیدر رضا صاحب بھی گاہے بہ گاہے ذاکری کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ نوحہ خوانی میں ایک اہم نام سید اظہر رضا صاحب کا تھا لیکن عشری سے ان کی منتقلی کے بعد ان کے مخصوص نوحے اور دیگر مجالس کے مخصوص نوحے سید ضیاء امام صاحب پڑھتے ہیں۔ نوحہ خوانی کے ضمن میں ایک نام اختر امام صاحب کا بھی تھا۔ ان کے نوحے عشری والوں کو زبان زد تھے ان کے انتقال کے بعد کمی کا احساس ہوتا ہے لیکن ان کے بچے ان کی کمی کو پورا کرنے میں سنجیدہ ہیں۔ اس کے علاوہ سرور رضا صاحب، سید تنظیم امام، سید رضا امام، سید شہنشاہ ظفر، سید مظفر امام، سید ذیشان رضا اور محمد قاسم خصوصی دلچسپی سے نوحے پڑھتے ہیں۔ گشت کے فرائض سید حسن اختر صاحب اور دیگر حضرات انجام دیتے تھے لیکن اب یہ ذمہ نوجوانوں نے لے لیا ہے اور سید شاداب رضا، سید مظفر امام اور ضمن وغیرہ اسے بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ پہلے سید غدیر حیدر صاحب، سید یحییٰ ظفر اور سید اعجاز حسین بھی بہترین مرثیہ خوانی کرتے تھے لیکن چند سالوں سے ان لوگوں نے بالکل ہی مرثیہ پڑھنا ترک کر دیا ہے جس سے مرثیہ خواں کی کمی ہوگئی۔ نئے پڑھنے والوں میں سنجیدگی سے سید اصغر بھی مرثیہ خوانی میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ میری ذاتی رائے کے مطابق سید سرور رضا صاحب کی شخصیت عشری کی عزاداری میں ہاتھی ہے وہ نہ صرف ایام عزا اور محرم سے ربیع الاول تک بلکہ پورے سال میں جو بھی مجلس و محفل ہوتی ہے اس میں اپنی ذمہ داری بخوبی نبھاتے ہیں۔ سوز، حدیث، مرثیہ، نوحہ اور قصیدہ سب کچھ وہ موقع و محل کے اعتبار سے پڑھتے ہیں۔ ان کے پاس مولوی صاحب رضا صاحب کی کتابت شدہ بیاض موجود ہے جس میں تمام مخصوص سوز وغیرہ خوش خط لکھے ہوئے ہیں۔ مخصوص کتابوں کا اچھا ذخیرہ ان کے پاس موجود ہے اور وہ اس کا حسب ضرورت استعمال کرتے ہیں۔

عشری میں دو انجمنیں قائم ہیں۔ انجمن حسینیہ نے تقریباً سو سال کی مدت پوری کر لی اس کے علاوہ نوجوانوں کے لئے انجمن عباسیہ ہے جس نے اب تک چالیس سال پورے کر لئے۔ فی الوقت انجمن حسینیہ کے ذمہ مسجد، امام باڑہ، کربلا ضریح خانہ اور ضریح کی دیکھ بھال اور مرمت وغیرہ کا ذمہ ہے

جبکہ انجمن عباسیہ کے ذمہ ایام عزا میں روشنی کا انتظام اور فروغ عزاداری سے متعلق تمام ذمہ داریاں ہیں۔ بڑی مسجد کی تعمیر میں مصطفیٰ حسن صاحب کی صاحبزادی نے مالی اعانت دی اور یہ مسجد چھیدی دادا حسین گنج کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی۔ چھیدی دادا کی قبر بھی بڑی مسجد میں ہی ہے۔ چھوٹی مسجد کی تعمیر میں مالی اعانت حکیم سید زین العابدین صاحب نے دی اور یہ مسجد سید بندہ حسن کی نگرانی میں بنوائی گئی لیکن یہ مسجد ادھوری رہی اور تقریباً نصف صدی کے بعد مہدی قبیلی کے نوجوانوں کی پہل پر اسے موجودہ صورت میں مکمل کرایا گیا۔ عشری کربلا کی عمارت بھی بیسویں صدی کے ابتدائی عرصے میں تعمیر ہوئی۔ اس کا نقشہ بے نظیر و یکتا ہے اس عمارت کی تعمیر سید اصغر حسین صاحب (اورسیئر) نے اپنی نگرانی میں کرائی۔ عشری کا امام باڑہ کئی سالوں کے بعد رفتہ رفتہ تعمیر ہوا اس میں عوام الناس کی مالی اعانت ہے اور یہ امام باڑہ آخری مرحلے میں سید محمد حیدر صاحب کی نگرانی میں تعمیر ہوا۔ ابھی بھی اس میں کچھ کام ادھورے ہیں۔ عصر حاضر میں ضریح خانہ اور ضریح دونوں خصوصی توجہ کا مرکز ہیں۔ نئے ضریح خانے میں چند حضرات کے مالی تعاون کے علاوہ خصوصی تعاون اور دلچسپی سید ہدایت حسین اور سید ضیاء امام صاحبان نے لی۔ ضریح خانے کی تعمیر سید ضیاء امام صاحب کی نگرانی میں ہوئی جس میں ایک بہترین سول انجینئر کی سلیقہ مندی و ہنر مندی کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔ گزشتہ سال تمام کوششوں کے بعد ضریح کی مرمت تقریباً مکمل ہوگئی اور ایک دہائی سے جو کام تشویش کا باعث تھا اسے سید ہدایت حسین صاحب کی سعی اور سید افسر حسین صاحب اور سید حمایت حسین صاحب کی نگرانی میں یوم عاشورہ سے قبل مکمل کرلیا گیا۔ عشری کی ضریح جسے عوام سرکاری تعزیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں ایام عزا میں چوک کی زینت اور محرم کے جلوس کے ساتھ ساتھ کربلا تک لے جایا جاتا تھا لیکن درمیانی عرصے میں یہ سلسلہ رفتہ رفتہ چوک تک محدود ہوگیا اور اب یہ تعزیہ صرف ضریح خانے میں منجمد کردیا گیا ہے۔ اس سے قرب وجوار سے آنے والے عوام الناس کی تعداد میں بلاشبہ کمی ہوئی ہے۔ عشری کی قدیم عزاداری کی روایت میں یہ جدید اضافہ ہے جس نے فروغ عزاداری کے ذریعہ تبلیغ کے مقصد کو صرف شیعہ حضرات تک محدود کردیا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے جو سلسلہ قائم رکھا تھا اس میں غیر تعلیم یافتہ مسلمان اور اہل ہنود کی شرکت کو مدنظر رکھا بھی لوگ سرکاری تعزیہ سے اپنی وابستگی پر فخر کرتے تھے لیکن اب یہ سلسلہ منقطع کردیا گیا جو مستقبل میں عشری کے مذہبی ماحول کے لئے نیک فال نہیں ہے۔ چوک کے اطراف میں علم مبارک کا نصب ہونا بھی ضریح کی مناسبت سے ہی تھا۔ ان تمام مسئلوں پر ہم لوگوں

کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کہ ہم کیا کررہے ہیں کیا کرنا چاہئے کیسے کرنا چاہئے اور کیوں کرنا چاہئے۔ صرف رسم کی ادائیگی اور اپنی حاضری درج کرانے کا سلسلہ تقریباً شروع ہوچکا ہے۔ اس روییے کو بدل کر تبلیغ مقصد امام حسین کی بہتر صورت نکالیں تاکہ ہمارے آباء واجداد کی روایت، وراثت اور وضع قطع بھی برقرار رہے اور آپسی بھائی چارہ پر بھی آنچ نہ آئے۔ اس کے لئے ہمیں اپنے طرز عمل میں تبدیلی لانی ہوگی۔ اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھانے کے لئے کوئی تدبیر ضرور ڈھونڈنی ہوگی۔

عشری کی عزاداری میں بستی کے وہ تمام لوگ قابل ستائش ہیں جو محرم کی آمد کا اہتمام بقرعید کے بعد سے ہی کرنے لگتے ہیں جو لوگ عشری میں رہتے ہیں ان کے دلوں میں بھی تازگی کا احساس ہوتا ہے یوں تو سال بھر وہ مجلس و ماتم اور محفل وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں لیکن محرم میں خصوصی اہتمام سے رونق دوبالا ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ وطن سے دور رہنے والوں کی عشری آمد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور روز بروز زائرین امام حسین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ عزاداری میں لوگوں کی حصہ داری کا اہم رول ہوتا ہے۔ پابندی سے محرم میں آنے والوں میں سید امیر حسن صاحب، سید غدیر حیدر صاحب، سید حسن ظفر جعفری صاحب، سید ظفر حسنین صاحب، سید محمد حیدر صاحب، سید یحیٰی ظفر صاحب، سید اعجاز حسین صاحب، سید مشتاق احمد صاحب، سید اقبال احمد صاحب، سید ضیا امام صاحب، ڈاکٹر سید تنویر امام صاحب، سید نیر امام صاحب، سید حمایت حسین صاحب، سید ہدایت حسین صاحب، سید نقی امام صاحب، سید تنظیم امام صاحب، سید رضوان رضا، سید رضوان حیدر، سید حسن امام، سید مرتضیٰ امام اور سید محمد عباس صاحب کے علاوہ جو لوگ بلاناغہ تشریف لاتے رہے ان میں عبدالرحیم صاحب، احسان محمد صاحب (مرحوم) گزشتہ سال تک یہ پابندی سے عشری تشریف لاتے رہے اور سرگرم رہے لیکن اچانک داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ان کی کمی کا ازالہ ممکن نہیں کیونکہ وہ ایک کوآرڈی نیٹر کے طور پر رابطے میں رہتے تھے۔ ان کے علاوہ شیخ بھولا ابن شیخ محمود صاحب کے ساتھ مولانا شمشاد علی بھی گزشتہ کئی سالوں سے محرم میں عشری میں مقیم ہیں جن کی مدلل ذاکری سے لوگ مستفیض ہورہے ہیں۔

عزاداری کے نظام الاوقات پر سرسری طور پر نظر ڈالیں تو سب سے پہلے ۲۹ ذی الحجہ کو فتح یاب صاحب کے عزاخانے میں مظلوم کربلا کے سوگ میں پہلی فرش عزا بچھائی جاتی ہے پھر دوسری مجلس امام باڑے میں ہوتی ہے۔ یکم محرم سے یوم عاشورہ یہ سلسلہ کچھ اس طرح ہے۔

عشرہ محرم کے دوران عشری میں پہلی مجلس صبح ۸ بجے امام باڑہ میں منعقد ہوتی ہے۔ دوسری مجلس

افسر حسین شوکت صاحب کے عزاخانہ میں ۹ / بجے ہوتی ہے۔ تیسری مجلس حسینی صاحب کے عزاخانے میں ۱۰ / بجے ہوتی ہے۔ چوتھی مجلس یکم تا چار محرم نصیر حسن صاحب کی جانب سے امام باڑے میں ۱۱ / بجے منعقد ہوتی ہے۔ یہی مجلس ۵ / محرم تا ۹ / محرم ڈاکٹر نذر امام صاحب کے عزاخانے میں منعقد ہوتی ہے۔ پانچویں مجلس سرور رضا صاحب کے عزاخانے میں ۱۲ / بجے دن میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد نماز اور ظہرانہ کے لئے وقفہ ہوتا ہے اور پھر دوسرا دور مجلس کا سہ پہر یعنی شام ۳ / بجے شروع ہوتا ہے جس کے تحت چھٹی مجلس نجم عشری صاحب کے عزاخانے میں شام ۳ / بجے ہوتی ہے۔ اس کے بعد ساتویں مجلس یکم تا پانچ محرم عباس منزل میں شام ۵ / بجے ہوتی ہے۔ اس سلسلے کی آخری چار مجلسیں سید حسن امام صاحب وکیل کے عزاخانے میں ہوتی ہے۔ پھر مغربین کی نماز کے لئے وقفہ ہوتا ہے اور بعد نماز مغربین عشائیہ کے بعد رات کی مجلسوں کا تیسرا دور رات ۸ / بجے شروع ہوتا ہے۔ آٹھویں مجلس میاں کی دالان یعنی فتح یاب صاحب کے عزاخانے میں ۸ / بجے شب میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد آخری مجلس امام باڑے میں ۹ / بجے شب میں ہوتی ہے۔ عشرہ محرم کے دوران دو بار گنج شہیداں یعنی کربلا سے مٹی لانے کی رسم ہے جو پانچ محرم اور سات محرم کو اہل سنت اور اہل ہنود ادا کرتے ہیں۔ یہ مٹی چوک پر مٹی کی ڈھکنی میں رکھ کر چھپادی جاتی ہے۔ مجلسوں کا سلسلہ عشرۂ محرم میں بلاناغہ جاری رہتا ہے۔ اسی اثناء میں کچھ خصوصی مجلسوں کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ ۶ / محرم کو دوپہر میں حلیم کی حاضری کی نذر نجم صاحب کے عزاخانے میں کی جاتی ہے جس میں تمام اہل بستی شریک ہوتے ہیں۔ رات میں حلیم کی مجلس ہوتی ہے۔ اسی رات جناب علی اکبر کا تابوت جلوس کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔ یہ جلوس فتحیاب صاحب کے عزاخانے سے امام باڑے تک آتا ہے جس میں نوحہ و ماتم خوب ہوتا ہے۔ سات محرم کو صبح میں سب سے پہلے اقبال احمد صاحب کی طرف سے چھوٹے حضرت کی حاضری کی نذر کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں تمام لوگ شرکت فرماتے ہیں۔ سات محرم کی رات میں نثار احمد صاحب کی جانب سے بھی حاضری کی نذر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ آٹھ محرم کو صبح اختر امام صاحب کے گھر پر مرتضی امام صاحب کی طرف سے حاضری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ دوپہر میں حسن امام صاحب وکیل کی جانب سے اور رات میں سید ضیاء امام صاحب کی جانب سے حاضری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ آٹھ محرم کو صبح میں علی اصغر کی یاد میں گہوارہ نجم عشروی صاحب کے عزاخانے سے برآمد ہوتا ہے اور جلوس کی شکل میں ضریح خانے تک قبل نماز صبح آتا ہے۔ آٹھ محرم کو ہی رات میں ایک اور گہوارہ حسن امام صاحب وکیل کے گھر سے برآمد

ہوتا ہے مجلس ہوتی ہے جس میں لوگ علم اور جھولے کی زیارت کرتے ہیں۔ اسی عزاخانے میں بعد میں ایک زنانی مجلس کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جس میں گہوارے اور علم کی زیارتیں خواتین بھی کرتی ہیں۔ گاؤں کے زیادہ تر گھروں سے مہندی کا تعزیہ بھی چوک پر لایا جاتا ہے جس کی خصوصی گشت بھی ہوتی، یہ رات کے تین بجے جھولے کی مجلس سے قبل ہوتی ہے۔ شب نویں محرم میں بھی ایک خصوصی گشت ہوتی ہے جس میں گاؤں کے زیادہ تر گھروں سے علم تعزیہ اور تبرکات برآمد ہوتے ہیں جو امام باڑہ اور چوک پر رکھے جاتے ہیں۔ امام چوک کی چاروں طرف علم نصب کیا جاتا ہے۔ نماز صبح سے پہلے سرکاری علم جناب عباس علمدار کی یاد میں انجمن عباسیہ کی جانب سے برآمد کیا جاتا ہے جو چوک کے گرد جلوس کی شکل میں طواف کرتا ہے اور پھر علم ضریح خانے میں ضریح مبارک کے ساتھ نصب کردیا جاتا ہے۔ پھر عباس علمدار کو مجلس کی شکل میں خراج عقیدت پیش کی جاتی ہے۔ یہ مجلس نماز صبح سے قبل امام باڑہ میں ہوتی ہے۔ عشرہ محرم میں یکم تا ۹ / محرم یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ نو محرم کو دن میں خصوصی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے پانی کی مجلس اور شوکت صاحب کے یہاں کی مجلس سے قبل فتحیاب صاحب کے عزاخانے سے ایک علم کا جلوس شوکت صاحب کے گھر تک جاتا ہے وہاں دوسرے علم سے میلان ہوتا اور سہرا چڑھایا جاتا ہے پھر مخصوص نوحے ہوتے ہیں بعد میں ماتم اور مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ رات میں اقبال احمد صاحب کی جانب ایک عوامی لنگر کا اہتمام ہوتا ہے جس میں بستی کے تمام لوگ خواہ وہ اہل سنت ہوں یا اہل ہنود اور شیعہ سب کے سب بلا تفریق مذہب وملت شرکت کرتے ہیں۔ دس محرم یوم عاشورہ کو قبل نماز صبح تابوت امام حسین مجلس کے بعد برآمد ہوتا ہے پھر نماز صبح کے بعد دوپہر تک کا وقفہ ہوتا ہے۔ اس وقفہ میں اعمال زیارت عاشورہ اور نماز وغیرہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بعد نماز ظہر ۲ / بجے دن امام باڑے میں الوداعی مجلس ہوتی ہے اس کے بعد زنجیری ماتم کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ نماز عصر کے وقت تک چلتا رہتا ہے۔ علاقے کے شیعہ سنی اور ہندو حضرات کی کثیر تعداد موجود ہوتی ہے جس میں خواتین اور بچے بھی کافی تعداد میں ہوتے ہیں۔ زنجیری ماتم کے بعد جلوس تعزیہ وعلم کربلا کے لئے روانہ ہوتا ہے۔ جلوس امام باڑے سے کربلا تک پوری ترتیب سے نکلتا ہے۔ سب سے آگے آگے پورے گاؤں کے لوگوں کی طرف سے چھوٹا بڑا تعزیہ جو چوک پر رکھا جاتا وہ ہوتا ہے جسے غیر شیعہ حضرات سر پر رکھ کر کربلا کی طرف جلوس کے آگے آگے چلتے ہیں۔ اس کے بعد اکھاڑا والوں کا جلوس ہوتا ہے جس میں لاٹھی کے کرتب دکھائے جاتے ہیں۔ نقارہ وڈھول تاشے بجائے جاتے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے

سپر کا جلوس رہتا ہے۔ سپر کے جلوس کے بعد گاؤں کے ہی کچھ مزدور و کسان غیر شیعہ بانس کی جھرنی پر گول بند ہو کر بھوجپوری یا لوک گیت کے انداز میں نوحے کے چند اشعار پڑھتے ہیں اور باقی لوگ اس کو دہراتے ہیں۔ اس کے بعد شیعہ حضرات کا جلوس ہوتا ہے جس میں خصوصی نوحے پڑھے جاتے ہیں اور جلوس کے ساتھ ایک سیاہ اور دوسرا سفید علم ضریح یا تعزیہ کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد جلوس ٹھہر جاتا ہے اور سوز پڑھی جاتی ہے جس میں "جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہ شبیر" کے دو بند پڑھے جاتے ہیں۔ جلوس کربلا تک پہنچ کر پیلام ہوتا ہے۔ چھوٹا بڑا سب تعزیہ واپس ضریح خانے میں لاکر رکھ دیا جاتا ہے۔ غیر شیعہ حضرات واپس اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں شیعہ حضرات کربلا میں نوحہ و ماتم کرتے ہیں وہاں الوداعی نوحہ "السلام امام تشنہ کام السلام" پڑھا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ مغرب کے وقت تک چلتا رہتا ہے۔ کربلا سے سبھی لوگ واپس آکر سیدھے امام باڑے میں جمع ہو جاتے ہیں جہاں شام غریباں کی مجلس ہوتی ہے جس میں بالکل اندھیرا ہوتا ہے۔ یہاں مخصوص نوحہ "ذرہ رونا جنگل ہے رات اندھیری ستارے کچھ جھلملا رہے ہیں" پڑھا جاتا ہے۔ شام غریباں کی مجلس میں ساگ روٹی نذر کی جاتی ہے اور تبرک کے طور پر لوگ اسے چکھتے ہیں۔ اسی رات یہاں فاقہ شکنی کا اجتماعی اہتمام سید ہدایت حسین صاحب کی طرف سے ہوتا ہے۔ مہدی فیملی کے تمام لوگ عباس منزل میں ایک ہی دسترخوان پر کھانا نوش فرماتے ہیں اس کے بعد گاؤں کے سبھی لوگ فتیاب صاحب کے گھر جاکر چائے نوش فرماتے ہیں۔ یہ قدیمی سلسلہ ہے جو عزاداری سے منسلک ہے۔ یہ چائے تبرک ہے اس مجلس کا جو رات ۹ بجے امام باڑے میں ہوتی ہے۔ ۱۲ محرم کو مجلس تیجہ ہوتی ہے اور عشرہ محرم کا پہلا دور اختتام تک پہنچتا ہے۔

عشری کی عزاداری میں خواتین کا بھی اہم حصہ ہے۔ خواتین زنانے امام باڑے میں مجلس و ماتم کا اہتمام کرتی ہیں اس کے علاوہ کچھ خواتین اپنے گھروں کے عزا خانے میں بھی زنانی مجلسیں کراتی ہیں۔ زنانی مجلس کا اہتمام زیادہ تر رات ۸ بجے سے رات ۱۱ بجے کے درمیان میں ہوتا ہے۔ یہ ترتیب عزاداری موجودہ دور میں رائج ہے اور ہم لوگوں کو اس سے جذباتی وابستگی کا احساس ہوتا ہے۔ دوران عزاداری کسی بھی طرح کا نہ کوئی مظاہرہ ہوتا ہے نہ کوئی دکھاوا بلکہ خلوص دل سے عزاداران امام حسین اور شہدائے کربلا جناب رسول خدا کو ان کے نواسے، جناب حضرت علی اور فاطمہ کو ان کے لال کا پرسہ اور جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو ان کے والد اور آل خاندان کا پرسہ عقیدت کے آنسو بہا کر پیش کرتے ہیں اور ہر سال یہ سلسلہ کم و بیش زمانے کی مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے قائم و دائم ہے۔

نوحہ

شبیر نے فرمایا کہ عباس نہیں ہے
مجبور ہوں بیکس ہوں کوئی پاس نہیں ہے
خیمے کے سبھی بچے کہتے تھے یہ رو رو کے
آجایئے عمو مجھے اب پیاس نہیں ہے
چھنتی نہ میری چادر ہوتا جو میرا اکبر
نانا تیری امت سے کوئی آس نہیں ہے
اکبر کے بھی سینے پہ برچھی کی انی دیکھو
ہم شکل پیمبر کا کوئی پاس نہیں ہے
بے شیر کی گردن پہ یہ تیر ذرا دیکھو
بچے کے گلے کا بھی تو احساس نہیں ہے
خیمے بھی جلا ڈالے عابد بھی بنے قیدی
بیمار کی طاقت کا بھی احساس نہیں ہے
چھینے گئے گوہر بھی کھائے ہیں طمانچے بھی
معصوم سکینہ کو کوئی آس نہیں ہے

سید معصوم رضا

جشنِ حسین

عظمت کے اعتبار سے کعبہ حسین ہیں
صبر و یقین والوں کا قبلہ حسین ہیں

میں شہرِ علم ہوں، یہی قولِ رسول ہے
دروازہ ہیں علی تو دریچہ حسین ہیں

آلِ نبی پہ بند ہے پانی فرات کا
کربل میں تین روز سے تشنہ حسین ہیں

تدبیر کرکے دیکھ لی ساری یزید نے
جو حل نہ ہوسکا وہ معمہ حسین ہیں

سر کٹ گیا یزید کی بیعت نہ کی قبول
منھ پر یزیدیت کے طمانچہ حسین ہیں

ہر شہر میں فساد کا بازار گرم ہے
انسانیت کا آج تقاضہ حسین ہیں

ظلمت یزیدیت کی ہے پھیلی چہار سو
دنیا میں اب بھی نور کا گوشہ حسین ہیں

تاریخ میں نہیں کوئی صابر حسین سا
مومن کی زندگی کا نمونہ حسین ہیں

اک نفسِ مطمئن نے دیا دین کو لہو
ہر ظلم کے جواب کا نقطہ حسین ہیں

ارض و سماں پہ دھوم ہے نام حسین کی
"تعمیرِ کائنات کا نقشہ حسین ہیں"

معصوم مداح خوانی کے جوہر دکھاؤ تم
ہر فکر اور عمل کا نمونہ حسین ہیں

سید معصوم رضا

पैमाना ३२ इन्च

نقشہ عشری خرد

کچھ اپنے بارے میں

سید معصوم رضا

میں سید معصوم رضا عرفیت اچھے وطن عشری خرد پیدائش مئی ۱۹۶۷ء، بچپن عشری میں گزرا۔ ابتدائی تعلیم کئی لوگوں سے حاصل کی جن میں سید حسن اختر اور مولوی سید امداد امام صاحب کا ذکر ضروری ہے (مولوی سید امداد امام صاحب نے درس وتدریس کے ابتدائی ایام میں علامہ جمیل مظہری کی بسم اللہ کرائی اور انھیں پڑھایا۔ آخری ایام میں مجھے ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ صرف ایک اتفاق ہے جس پر مجھے آج بھی ناز ہے کہ مجھے اس شخص کی شاگردی کا شرف حاصل ہے جس نے اردو ادب کو علامہ جمیل مظہری جیسا ادیب، مفکر، فلسفی، پروفیسر اور عالمگیر شہرت یافتہ شاعر دیا)۔ چند دنوں اور چند مہینوں تک میں نے گلاب اسکول، دھنوتی پرائمری اسکول اور حسن پورہ مڈل اسکول میں بھی تعلیم حاصل کی لیکن والد کی ملازمت کا سلسلہ سیوان میں تھا اس لئے ہم لوگ پہلے کاغذی محلہ پھر شیخ محلہ سیوان میں رہنے لگے۔ اس اثناء میں سیوان کے وی۔ ایم۔ ایچ۔ ای۔ مڈل اسکول میں چند مہینے پڑھنے کا موقع ملا لیکن آخر میں میرا داخلہ سیوان کے اسلامیہ ہائی اسکول میں ہوگیا جہاں سے میں نے ہائی اسکول (میٹرک) کا امتحان ۱۹۸۱ء میں سیکنڈ ڈویژن سے پاس کیا۔ اس کے بعد وہ D.A.V. کالج سیوان میں آئی اے (I.A.) میں داخلہ لیا۔ ۱۹۸۳ء میں آئی اے کا امتحان بھی سیکنڈ ڈویژن سے پاس کیا اور اسی کالج میں بی اے اردو آنرس میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۸۸ء میں بہار یونیورسٹی سے بی اے آنرس کا امتحان بھی سیکنڈ ڈویژن سے پاس کیا۔ سیوان میں رہنا تقریباً نہیں کے برابر تھا۔ والد ملازمت سے ۱۹۸۶ء میں سبکدوش ہو چکے تھے اس لئے عشری واپس جانے کا پروگرام بن رہا تھا۔ میں

نے ۱۹۸۹ء میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دلّی میں ایم اے اردو میں داخلہ لے لیا اور ہاسٹل میں مقیم ہوگیا۔ نرمدا ہاسٹل میں کمرہ نمبر ۲۲۶ میں قیام رہا۔ ایم اے کا امتحان ۱۹۹۱ء میں فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔ اس کے بعد دلّی یونیورسٹی کے سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن سے ایک سال کا B.Ed کورس کیا اور ۱۹۹۲ء میں فرسٹ ڈویژن سے کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد میں نے دوبارہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں ایم فل اردو میں داخلہ لے لیا۔ میں نے اسی اثناء میں یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کا لیکچرارشپ کی اہلیت کا ٹیسٹ بھی پاس کرلیا۔ میرے ریسرچ کا موضوع "احمد جمال پاشا کی انشائیہ نگاری" تھا ۱۹۹۳ء میں ایم فل کی ڈگری ملی۔ میں نے اسی اثناء میں پارٹ ٹائم سے ماس میڈیا میں ڈپلوما بھی کرلیا۔ دوران ایم فل میں کاویری ہوسٹل کے روم نمبر ۱۳ر میں رہتا تھا۔ پھر مجھے دلّی کے سرکاری اسکول میں ٹیچر کی ملازمت مل گئی۔ میں نے اسے قبول کیا۔ ہاسٹل کو خیرباد کہا اور منیرکا میں بھائیوں کے ساتھ کرائے کے مکان میں رہنے لگا۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد نوکری سے قبل میری شادی ہوگئی۔ یکم جنوری ۱۹۹۳ء کو میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوگیا۔ میری شادی میرے منجھلے ماموں سید ابرار حیدر ابن سید امیر حیدر میران صاحب، بنی سادات کی چھوٹی لڑکی نزہت رضوی سے ہوئی۔ اب ایک ساتھ کنبہ پروری، نوکری اور تحصیل علم تینوں سلسلہ جاری رہا۔ چند سال کے بعد مجھے جواہر لال یونیورسٹی سے ہی ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی۔ میرے تحقیقی مقالہ کا موضوع تھا "اردو فکشن میں تہذیبی تکثیریت" اس کے علاوہ میں نے فاصلاتی نظام تعلیم سے متعلق ایک ڈپلومہ اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی نئی دلّی سے کیا۔ شادی کے بعد کرائے کے مکان کا مسئلہ ہمیشہ سائے کی طرح ساتھ رہا۔ کئی سال تک بطور کرایہ دار رہا بعد میں ۲۰۰۰ء میں جب تھوڑی گنجائش ہوئی تو غازی آباد سیکٹر ۲۳ میں ایک بالکل چھوٹا سا فلیٹ خرید لیا۔ چھوٹے خاندان کے گزر بسر کے لئے یہ کافی تھا۔ اسی درمیان میں مجھے اللہ نے اپنی رحمتوں سے نوازا اور مجھے دو بیٹیاں عطا کیں۔ بڑی بیٹی فردوس فاطمہ چھوٹی بیٹی فرحت فاطمہ میری زندگی کا حصہ بن گئیں۔ بڑی بیٹی فی الوقت آٹھویں اور چھوٹی بیٹی تیسرے درجے میں تعلیم حاصل کررہی ہیں۔ غازی آباد میں میرے فلیٹ سے قریب ہی ایک عزاخانہ ہے جہاں نماز پنجگانہ، نماز جمعہ کے علاوہ ہر مخصوص تاریخ میں محفل ومجلس کا اہتمام ہوتا ہے۔ اچھی خاصی تعداد میں شیعہ گرد ونواح میں مقیم ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں شیعہ سماج کے نام سے فلاح وبہبود سے متعلق ایک سوسائٹی کی شروعات ہوئی۔ جو فی الوقت بھی سرگرم ہے۔ دلّی میں نوکری کرتا ہوں۔ تمام مصروفیتوں کے باوجود بھی میں اپنے شوق کو

برقرار رکھنے کے لئے اردو اخبار و رسائل میں مضامین لکھتا رہتا ہوں۔ نئی کتابوں پر تبصرے اور مضامین لکھنا میرا شوق ہے۔ اردو کے ساتھ ساتھ ہندی اور کبھی کبھی انگریزی میں بھی کچھ لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ہندی میں بہت سے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ہر سال محرم میں پابندی سے اردو اور ہندی اخباروں میں مضامین بھیجتا ہوں۔ کبھی شائع ہو جاتے ہیں کبھی ضائع ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی کوششیں جاری ہیں۔ تعلیم اور اردو ادب میرے خاص موضوعات میں سے ہیں۔ سیاست اور سماجی مسائل پر بھی کبھی کبھی کچھ لکھ دیتا ہوں۔ مذہب پر بہت کم طبع آزمائی کرتا ہوں کیونکہ میرا مذہبی مطالعہ بہت کم ہے۔ صرف مجلسوں کا فیض ہے۔ مذہبی تعصب، علاقائی عصبیت اور تنگ نظری کے باوجود میں لکھنے پڑھنے کی کوشش اس لئے کرتا رہتا ہوں تاکہ حالات حاضرہ پر نظر رہے۔ ادبی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل ہوتی رہے اور ذہن میں زنگ نہ لگ جائے اس لئے تمام کوششیں اسی زنگ کو چھڑانے کی پہل ہیں ورنہ میری ملازمت اس قدر آرام دہ ہے کہ تمام ذہنی الجھنوں سے مجھے نجات ملی ہوئی ہے۔ لیکن میں نے درس و تدریس کے ساتھ کتاب اور قلم سے بھی دوستی برقرار رکھی ہے۔ جس سے میرے ذوق کی تسکین ہوتی ہے۔ یہ صرف میرا ذاتی مشغلہ ہے۔

آخر میں اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے ذاتی تفصیل کے بعد اپنے عزیز و اقارب کی بھی تفصیل بیان کرتا چلوں ورنہ میری بات بھی ادھوری رہ جائے گی اور میرا خاندانی پس منظر بھی تشنہ رہ جائے گا۔ اس تحریر کو مکمل کرنے کے لئے اس کی اشد ضرورت ہے۔ میرے والد گرامی سید صفدر رضا جنگو ابن سید علی عباس صاحب رجسٹرار سرکاری ملازمت میں ۱۹۸۶ء میں سیوان کلکٹریٹ سے ہیڈ کلرک کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے اور ۷۔۸ / اگست ۱۹۹۷ء کے درمیانی شب میں چند دنوں کی علالت کے بعد راہی ملک عدم ہوئے۔ میری والدہ بقید حیات ہیں۔ والدہ عذرا خاتون بنت سید امیر حیدر صاحب میرن (پٹی سادات) کی چھوٹی لڑکی ہیں۔ مجھ سے بڑے بھائی سید جاوید رضا بھٹو ہیں جو مجھ سے ڈیڑھ سال بڑے ہیں۔ ان کی شادی بھی میری شادی کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ انہوں نے سیوان D.A.V. کالج سے B.Com (Hons.) کا امتحان دیا۔ بہار یونیورسٹی سے امتیازی نمبروں سے امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد سے ہی نوئیڈا کی ایک کمپنی میں A/C کے شعبہ میں کام کر رہے ہیں۔ ان کی اہلیہ نرجس خاتون بنت سید ہاشم رضا (شیخ پور مونگیر) ہیں۔ انہیں دو بچے بیٹی تطہیر فاطمہ اور بیٹا مرتضیٰ عباس زین ہیں۔ یہ نوئیڈا کے سیکٹر ۸۲ / میں رہتے ہیں۔ میرا نمبر دوسرا ہے۔ میرے بعد میری

اکلوتی بہن یاسمین بانو زوجہ سید اختر عباس کاظمی ابن سید علی عباس کاظمی (موضع رام بھاری، پتھرا بازار، سدھارتھ نگر، یو۔پی) ہیں۔ یاسمین بانو مہدی فیملی کی پہلی فرد ہیں جو اپنی سسرال موضع رام بھاری، نگوڑا پنچایت کے الیکشن میں پردھان کے لئے منتخب ہوئیں اور موجودہ پردھان کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ اختر عباس کاظمی ضلع بستی میں سرکاری ملازمت کرتے ہیں وہیں ذاتی مکان بنا کر مقیم ہیں۔ ان کو دو لڑکے ناصر عباس ثمر اور رضا عباس سمیر ہیں۔ بہن کے بعد میرے چھوٹے بھائی سید صادق رضا صدو ہیں جنھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے B.A پاس کیا اور دلی کی ایک پرائیویٹ فرم میں نوکری کرتے ہیں۔ ان کی شادی ضلع دربھنگہ کے موضع کلوارہ میں ہوئی ہے۔ اہلیہ یاسمین فاطمہ بنت امیر علی ہیں۔ انہیں ایک لڑکی عنایت فاطمہ ہے۔ فی الحال یہ لوگ دہلی کے ویسٹ ونود نگر میں مقیم ہیں۔ میرے سب سے چھوٹے بھائی سید مہدی رضا مدن ہیں جنھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے B.Com (Hons.) کیا ہے اور بیسک ٹریننگ کرنے کے بعد فی الحال سرکاری ٹیچر کی نوکری کے منتظر ہیں۔ امید کہ جلد ہی یہ برسرروزگار ہو جائیں گے۔ فی الوقت میرے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ عباس منزل کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو سبھی مع اہل و عیال خوش و خرم ہیں۔

□□□

قطعات

فن سے خالی ہی رہی تو شاعری کس کام کی
نام ہی کی ہو اگر تو زندگی کس کام کی
مدحتِ آلِ نبی اور اجرتوں کا یہ چلن
یہ تو بس سودا ہے ایسی شاعری کس کام کی

گر محتسب ہیں آپ تو اپنا کریں حساب
میں شاعری جو کرتا ہوں وہ تو بصد ثواب
فرشِ عزا کا ہم پہ بھی لازم ہے احترام
محشر میں ہر عمل کا ہے دینا ہمیں حساب

سید معصوم رضا

اکلوتی بہن یاسمین بانو زوجہ سید اختر عباس کاظمی ابن سید علی عباس کاظمی (موضع رام بھاری، پتھرا بازار، سدھارتھ نگر، یو۔پی) ہیں۔ یاسمین بانو مہدی فیملی کی پہلی فرد ہیں جو اپنی سسرال موضع رام بھاری، تگوڑا پنچایت کے الیکشن میں پردھان کے لئے منتخب ہوئیں اور موجودہ پردھان کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ اختر عباس کاظمی ضلع بستی میں سرکاری ملازمت کرتے ہیں وہیں ذاتی مکان بنا کر مقیم ہیں۔ ان کو دولڑکے ناصر عباس ثمر اور رضا عباس سمیر ہیں۔ بہن کے بعد میرے چھوٹے بھائی سید **صادق رضا** صدو ہیں جنھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے B.A پاس کیا اور دلی کی ایک پرائیوٹ فرم میں نوکری کرتے ہیں۔ ان کی شادی ضلع دربھنگہ کے موضع کلوارہ میں ہوئی ہے۔ اہلیہ یاسمین فاطمہ بنت امیر علی ہیں۔ انھیں ایک لڑکی عنایت فاطمہ ہے۔ فی الحال یہ لوگ دہلی کے ویسٹ ونود نگر میں مقیم ہیں۔ میرے سب سے چھوٹے بھائی **سید مہدی رضا** مدن ہیں جنھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے B.Com (Hons.) کیا ہے اور بیسک ٹریننگ کرنے کے بعد فی الحال سرکاری ٹیچر کی نوکری کے منتظر ہیں۔ امید کہ جلد ہی یہ برسرروزگار ہو جائیں گے۔ فی الوقت میرے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ عباس منزل کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو سبھی مع اہل و عیال خوش و خرم ہیں۔

□□□

قطعات

فن سے خالی ہی رہی تو شاعری کس کام کی
نام ہی کی ہو اگر تو زندگی کس کام کی
مدحتِ آلِ نبی اور اجرتوں کا یہ چلن
یہ تو بس سودا ہے ایسی شاعری کس کام کی

گر محتسب ہیں آپ تو اپنا کریں حساب
میں شاعری جو کرتا ہوں وہ تو بعد ثواب
فرشِ عزا کا ہم پہ بھی لازم ہے احترام
محشر میں ہر عمل کا ہے دینا ہمیں حساب

سید معصوم رضا